فہرست

لمعات:	ادارہ	3
مقام حدیث امام اعظم ابوحنیفہؒ کی نظر میں	غلام احمد پرویزؒ	5
مسلمان ممالک میں بیداری کی لہر	خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی	15
نظریۂ پاکستان سے آگہی	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	23
عوام کی عدالت	(جنگ رپورٹ)	44
بالآخر ہمیں ایک قوم بننا ہی ہوگا!!	شفقت محمود	48

ENGLISH SECTION

THE MYTHS OF JINNAH

By Saleena Karim 1

طلوعِ اسلام کالٹریچر یہاں سے دستیاب ہے

نیچے درج کئے گئے کتب خانوں سے طلوع اسلام ٹرسٹ کی تمام کتب، دروس القرآن کی تمام جلدیں، اسلامی کتابیں اور لائبریری کے لئے تمام موضوعات پر ہمہ قسم کتب رعایتی نرخوں پر خریدنے کے لئے تشریف لائیں۔

1- کلاسک بک سیلرز، 42، دی مال (ریگل چوک)، لاہور۔ فون: 042-37312977، موبائل: 0300-4442226

2- علمی کتاب گھر، اردو بازار، کراچی۔

3- البلال بک سنٹر، اردو بازار، کراچی۔

4- مذہبی کتب خانہ، اردو بازار، کراچی۔

5- مکتبہ دارالسلام، اردو بازار، کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

اس وقت ساری دنیا' اپنے اپنے غلط نظامہائے زندگی کے انسانیت سوز نتائج وعواقب سے تنگ آ کر' ایک نئے نظام کی تلاش میں' مضطرب و بے قرار پھر رہی ہے۔ چونکہ ان اقوامِ عالم کے سامنے وحی کی روشنی نہیں اس لئے وہ اپنے ظن و تخمین کی وادیوں میں اندھوں کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی کا سر پھٹتا ہے' کسی کی ہڈی پسلی ٹوٹتی ہے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ اگلی لاٹھی کدھر سے اٹھے گی اور کس کے جا لگے گی۔ دنیا میں' اس سے قبل' شاید ہی کوئی دور ایسا آیا ہو جس میں پوری کی پوری انسانیت' اپنے بنائے ہوئے زندان سے نکلنے کے لئے اس طرح تڑپ رہی ہو۔ غور کیجئے کہ ان حالات میں' اس قوم پر جسے وراثتِ کتاب کے لئے منتخب کیا گیا تھا اور جسے ضابطۂ قوانینِ خداوندی کا امین بنایا گیا تھا' کتنی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن اس قوم کی حالت یہ ہے کہ وہ خدا کے عطا فرمودہ جگمگاتے ہوئے چراغ کو تہِ دامن چھپائے بیٹھی ہے اور اس طرح خود بھی اس کی روشنی سے محروم ہے اور باقی دنیا کو بھی اندھیرے میں رکھے ہوئے ہے۔ اگر اسے تعلّی پر محمول نہ کیا جائے (بلکہ تحدیث نعمت سمجھا جائے) تو یہ کہنے میں قطعاً باک نہیں کہ اس وقت ساری دنیا میں صرف طلوعِ اسلام اس آواز کو بلند کر رہا ہے کہ اس ''یدِ بیضا'' کو پھر سے آستین سے باہر نکال کر دنیا کو بقعۂ نور بنا دو تا کہ اسکی روشنی میں تم بھی جانبِ منزل جادہ پیما ہوسکو اور تمہارے پیچھے پیچھے باقی دنیا بھی امن و عافیت کی جنت کی طرف گامزن ہو جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ آواز اس وقت بڑی کمزور ہے اور اس کا حلقہ بڑا محدود۔ لیکن اسے صورِ قیامت بنا دینا کچھ بھی مشکل نہیں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ آواز فی الواقعہ حق اور صداقت کی آواز ہے تو اسے نشید کامرانی بنانے میں جو مدد بھی آپ کر سکیں گے وہ قرآنی نظام کے قیام کی راہ میں ایک قدم آگے بڑھانے کے مرادف ہوگا۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے قطرے دریا بن جاتے ہیں اور افراد' کارواں کی صورت اختیار کر کے' راستہ کی پرخطر گھاٹیوں سے محفوظ و مصئون' جانبِ منزل رواں دواں بڑھے چلے جاتے ہیں۔ ہم افراد سے زیادہ' ان اداروں کی توجہ بھی اس نقطہ کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں' جو

قرآنی نظام کی تشکیل کو اپنا مطمحِ نگاہ سمجھتے ہیں' کہ اگر آپ اس سے متفق ہیں کہ طلوعِ اسلام کا قدم صحیح راہ پر اٹھ رہا ہے' تو الگ الگ' منتشر کوششوں کی بجائے' وہ اسی کو اپنی سعی و عمل کا مظہر کیوں نہ بنالیں؟ اس سے' اس منزل کی طرف جانے والے تمام افراد کے لئے وحدتِ مرکز اور ہم آہنگی فکر و عمل پیدا ہو جائے گی جو نظامِ قرآنی کے لئے اصل و بنیاد ہے۔ ابتداءً نیتیں کتنی ہی نیک اور دل کیسے ہی پر خلوص کیوں نہ ہوں' الگ الگ مراکز سے' آگے چل کر' الگ الگ فرقے بن جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ طلوعِ اسلام کوئی تجارتی ادارہ نہیں۔ اس لئے یہ' قرآنی نگاہ رکھنے والے تمام افرادِ ملت کے خیالات کا ترجمان ہے۔ بنابریں' اس نہج کے لکھنے والے اسی میں لکھیں اور ان خیالات کو پھیلانے کا جذبہ رکھنے والے' اسی کو پھیلائیں۔ اس سے اس قرآن برادری کے افراد' تشتتِ فکر و نظر اور انتشارِ سعی و عمل سے بچ جائیں گے۔

بہرکیف' افراد ہوں یا ادارے' جو بھی طلوعِ اسلام کے مقصد سے متفق ہوں' ان کی ہر کوشش' اس آواز کو آگے بڑھانے کا موجب اور اس تحریک کی تقویت کا باعث ہوگی۔ اس باب میں ہمیں زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جو اسے اپنا فریضۂ حیات سمجھتا ہے وہ ازخود اس میں شرکت کرے گا۔ جو ایسا نہیں سمجھتا' اس سے کچھ کہنا بیکار ہے۔ بیکار ہی نہیں بلکہ اس کی کوئی امداد (جو بہرحال طوعاً نہیں بلکہ کرہاً ہوگی) اس تحریک کی راہ میں الٹا روڑا بن کر اٹک جائے گی' جس طرح مجبوراً ساتھ چلنے والے کا ساتھ' ہمرہانِ سفر کے لئے' زنجیرِ پا بن جایا کرتا ہے۔ بطیّبِ خاطر چلنے والے آئیں اور رہ نوردانِ شوق کے اس قافلے میں شامل ہو جائیں جو سر میں سودائے عشق' دل میں ذوقِ تجسس' نگاہوں میں کیفِ آرزو اور ہاتھ میں قندیلِ قرآنی لئے' ستاروں کی سی خاموشی اور نرم روی سے' بے ساز و یراق جانبِ منزل بڑھے چلا جا رہا ہے۔ زادِ راہ کی کمی' مخالفتوں کا ہجوم' حالات کی نامساعدت چھلاوے بن بن کر ڈرا رہی ہے لیکن افق کے اُس پار سے آنے والی ایک بے صوت صدا ہے جو نغمۂ جبریل کی طرح یہ کہتی ہوئی دل کی گہرائیوں میں اترتی جا رہی ہے کہ

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ اَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوعَدُونَ o نَحْنُ اَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُونَ o نُزُلاً مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيْمٍ o وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ o (41:30-33)۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام احمد پرویزؒ

مقامِ حدیث

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی نظر میں

اگر آپ کو مذہب اور مذہبیات سے کچھ دلچسپی ہے تو آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ آج کل فضا میں ایک خاص آواز گونج رہی ہے اور وہ ہے طلوع اسلام کی مخالفت۔ شاید ہی کوئی محراب ومنبر ایسا ہو جہاں سے یہ آواز نہ بلند ہوتی ہو کہ طلوع اسلام دور حاضر کا سب سے بڑا فتنہ ہے' اس نے ایک نیا اسلام وضع کر رکھا ہے' یہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے' جو کچھ یہ کہتا ہے تیرہ سو سال میں کبھی سننے میں نہیں آیا۔ اس سے اسلام کا طلوع نہیں بلکہ غروب مقصود ہے۔ کہیں ان ''متشابہات'' ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے اور کہیں اس سے آگے بڑھ کر ''محکمات'' تک اترا جاتا ہے۔ اسے کھلے بندوں گالیاں دی جاتی ہیں۔ گردن زدنی اور کشتنی قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے خلاف کفر کے فتوے صادر کئے جاتے ہیں اور اس روزِ سعید کا انتظار کیا جا رہا ہے جب پاکستان میں شریعتِ اسلامی کا راج ہوگا اور اس قسم کے مرتدین کو حوالۂ دار و رسن کیا جائے گا۔ گوئرنگ نے کہا تھا کہ کسی جھوٹی بات کو سو مرتبہ دہرایئے وہ سچ بن کر دکھائی دینے لگے گی۔ طلوع اسلام کے خلاف اس پروپیگنڈے کو بھی گوئرنگ کے اصول کے ماتحت عمل میں لایا جا رہا ہے۔ اس لئے اس سے ان لوگوں کا متاثر ہو جانا کچھ بعید نہیں جو طلوع اسلام کا مسلسل مطالعہ نہیں کر رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ:

طلوعِ اسلام کا مقصد:

(1) طلوع اسلام کیا کہتا ہے؟

(2) یہ جو کچھ کہتا ہے کیا وہ کوئی نئی بات ہے؟

یا

ہمارے بزرگوں میں سے بھی کسی نے وہی کچھ کہا ہے؟

(3) ایسا کہنے والوں کی مخالفت بھی کوئی نئی چیز ہے یا ان بزرگوں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوتا رہا ہے؟

سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ طلوع اسلام کا جرم کیا ہے؟ طلوع اسلام کی دعوت یہ ہے کہ قرآن کریم وہ ضابطۂ زندگی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل کر دی ہے۔ اس میں نہ کسی قسم کا

ردوبدل ہوسکتا ہے نہ نسخ واضافہ۔ انسانی زندگی کے لئے جس قدر راہنمائی کی ضرورت تھی اسے اصولی طور پر قرآن میں دے دیا گیا ہے اور اس کے بعد قرآن پر ایمان رکھنے والوں سے کہہ دیا گیا ہے کہ وہ ان اصولوں کی روشنی میں اپنے زمانہ کے تقاضہ کے مطابق اجتہادی طور پر جزئی قوانین مرتب کر لیں۔ یہی کچھ رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا۔ یہی خلفائے راشدین نے کیا اور ان کے بعد ایسا ہی ہر دور کے مسلمانوں کو کرنا چاہئے تھا۔ ہمیں بھی آج ایسا ہی کرنا چاہئے۔

بس یہ ہے ''ہمارا جرم'' اب یہ دیکھئے کہ کیا یہ جرم ہمارا ہی ہے یا اس جرم میں ہمارے ساتھ اور لوگ بھی شریک ہیں اور اگر شریک ہیں تو وہ کون ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے سوا کچھ نہیں چھوڑا: عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ میں اور شداد بن معقل حضرت ابن عباسؓ کے پاس گئے تو شداد نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد کچھ چھوڑا تھا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بجز اس قرآن کے جو دفتین میں محفوظ ہے آپ نے اور کچھ نہیں چھوڑا۔ اسی طرح ہم دونوں محمد بن الحنفیہ کے پاس گئے اور ان سے بھی ہم نے یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ آپ نے اس قرآن کے سوا جو دفتین میں محفوظ ہے اور کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ (صحیح بخاری، جلد 2، ص 751)۔

میں صرف اس چیز کو حرام کرتا ہوں جس کو قرآن نے حرام کیا ہے: امام ابو یوسفؒ اپنی کتاب تنقید سیر الاوزاعی میں تحریر فرماتے ہیں:

> جو چیز قرآن کے مخالف ہو گو اس کی روایت کی جائے لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں ہے۔ ہم سے معتبر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ ''میں صرف اس چیز کو حرام کرتا ہوں جس کو قرآن نے حرام کیا ہے، خدا کی قسم وہ لوگ کسی چیز سے مجھ پر تمسک نہ پکڑیں۔'' الخ

(تاریخ فقہ اسلامی، ص 267)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہؓ کو روایتِ حدیث سے منع کیا: حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں مراسیل ابن ابی ملیکہ سے یہ روایت کی ہے کہ:

> رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو جن میں تم لوگوں میں اختلاف ہوتا ہے اور تمہارے بعد جو لوگ ہوں گے ان میں اس سے بھی زیادہ اختلاف ہوگا۔ تو رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث روایت نہ کرو۔ جو شخص تم سے سوال کرے

اس سے کہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے۔ اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال اور اس کے حرام کئے ہوئے کو حرام سمجھو۔

(تاریخ فقہ اسلامی، ص 161)

حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہؓ کو روایت حدیث سے منع فرمایا: حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ شعبہ وغیرہ نے بیان سے اور بیان نے شعبی سے اور شعبی نے قرظہ بن کعبؓ سے روایت کی ہے کہ:

> حضرت عمرؓ نے جب ہم کو عراق کی طرف روانہ فرمایا تو ہمارے ساتھ خود بھی چلے اور فرمایا تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں تمہاری مشایعت کر رہا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہاں ہماری عزت افزائی کے لئے۔ بولے اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ تم ایسی آبادی کے لوگوں کے پاس جاتے ہو جو شہد کی مکھیوں کی طرح گنگنا گنگنا کر قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ تم احادیث کی روایت کر کے ان کی تلاوت قرآن میں رکاوٹ نہ پیدا کرنا صرف قرآن مجید پر بس کرو۔ اور رسول اللہ ﷺ سے روایت کم کرو، اور اس میں، میں بھی تمہارا شریک ہوں۔ چنانچہ جب قرظہؓ آئے تو لوگوں نے روایت حدیث کی خواہش کی، انہوں نے جواب دیا کہ ہم کو حضرت عمرؓ نے اس کی ممانعت کی ہے۔ (ایضاً، ص 163)

حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ کی حدیث قبول نہیں کرتے تھے: امام ابو یوسفؒ نے سیر الاوزاعی کی تنقید میں جو کتاب لکھی ہے جسے امام شافعیؒ نے کتاب الام میں روایت کیا ہے۔ اس میں امام ابو یوسفؒ تحریر فرماتے ہیں:

> اور اگر کتاب طویل نہ ہو جاتی تو میں تمہارے لئے بسند حدیث بیان کرتا کہ حضرت علیؓ ابن ابی طالب رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہی کو قبول نہیں کرتے تھے۔

(تاریخ فقہ اسلامی، ص 267)

حضرت امیر معاویہؓ بھی حضرت عمرؓ کے مسلک کے متبع تھے: ابن علیہ نے رجاء بن ابی سلمہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ یہ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ بھی حدیث کے ساتھ وہی طرزِ عمل اختیار کرو جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جاری تھا کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایتِ حدیث کرنے کے متعلق لوگوں کو دھمکیاں دی تھیں۔

(ایضاً، ص 162-163)

ان حضرات کا احادیث کو رد کرنا حدیث کی دینی حیثیت نہ رکھنے کی دلیل ہے: آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت صدیق اکبرؓ حضرت فاروق اعظمؓ حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کا فیصلہ احادیث کے متعلق کیا ہے۔ اس کے ساتھ ذرا اس نکتہ پر بھی غور فرما

لیجئے کہ احادیث رسول کے متعلق ان حضرات کا یہ فیصلہ کیوں ہے؟ ظاہر ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ اور علی مرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے عہد سعادت مہد میں، میں اور آپ یا امام بخاریؒ اور امام مسلم حدیثیں بیان کرنے کے لئے نہیں ہوتے تھے بلکہ حضرات صحابہؓ ہی حدیثیں بیان کرنے والے ہو سکتے تھے جن کے درمیان اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کوئی دوسرا واسطہ ہی نہیں ہوتا تھا۔ اس سند کے متعلق صحیح اور ضعیف ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ روایتیں بیان کرنے والے وہ اصحاب رسول اللہ ﷺ ہی تو ہیں جن کے متعلق خود ائمہ حدیث کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ ''اصحابی کلھم عدول بایھم اقتدیتم اھتدیتم'' (میرے سارے اصحاب ثقہ اور عادل ہیں۔ ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کر لو گے ہدایت پا لو گے) مگر اس کے باوجود بھی یہ حضرات وہ کچھ فرما رہے ہیں جو آپ ابھی ابھی دیکھ چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کی صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ ان حضرات کے نزدیک حدیث کی وہ حیثیت ہی نہیں ہوتی تھی جو آج اس کو حیثیت دی گئی ہے وہ حضرات جانتے تھے کہ خود رسول اللہ ﷺ کا منشا بھی یہ نہیں تھا کہ آپ کے یہ ارشادات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امت کا دستور العمل بنا دیئے جائیں۔ وہ بقول حضرت صدیق اکبرؓ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ''جو شخص تم سے سوال کرے اس سے کہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان صرف خدا کی کتاب ہے، اسی کے حلال کئے ہوئے حلال اور اسی کے حرام کئے ہوئے کو حرام سمجھو۔'' (حضرت صدیق اکبرؓ) وہ اس حقیقت کو بھولے نہیں تھے کہ جن امور کی تفصیل قرآن میں نہیں ہوتی تھی ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے اور جو رائے بہتر نظر آتی اسے اختیار کر لیا جاتا اور وہی شریعت کا حکم قرار پا جاتی تھی۔ لہٰذا وہ جانتے تھے کہ دین میں غیر متبدل چیز صرف قرآن ہے باقی احکام عندالضرورت بدلے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں (خلفاء راشدینؓ) نے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق خود رسول اللہ ﷺ کے صادر کئے ہوئے فیصلوں میں بھی ردوبدل کیا۔

صحابہؓ نے حدیث کے متعلق غور وفکر کے بعد یہ رائے قائم کی تھی:

اس دور میں یہی مسلک رائج رہا اور کبھی یہ سوال پیدا نہ ہوا کہ احادیث رسول اللہ ﷺ کو بھی قرآن کی طرح ضبط تحریر میں لا کر محفوظ کر لیا جائے۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جس میں یہ کام سب سے زیادہ آسان تھا۔ یہی نہیں کہ انہیں اس کی طرف خیال نہیں آیا۔ ان کے سامنے یہ سوال آیا اور وہ غور وخوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کی ضرورت نہیں چنانچہ سیوطیؒ نے تنویر الحوالک شرح مؤطا امام مالک میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے احادیث کو لکھوانے کا خیال کیا اور اس کی بابت صحابہؓ سے مشورہ کیا تو عام صحابہؓ نے بھی ان کے خیال کی تائید کی لیکن اس کے بعد

حضرت عمرؓ اس معاملہ میں مزید غور وفکر کرتے رہے اور قریب ایک مہینہ کے بعد انہوں نے یقینی رائے قائم کر لی اور فرمایا کہ جیسا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے میں نے تم سے تحریر حدیث کا ذکر کیا تھا۔ پھر میں نے اس میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہم سے پہلے اہل کتاب میں سے بہت لوگوں نے کتاب اللہ کے ساتھ اور کتابیں لکھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ انہی کتابوں میں مشغول ہو گئے اور کتاب اللہ کو چھوڑ دیا۔ اس بناء پر خدا کی قسم میں کتاب اللہ کو کسی اور چیز کے ساتھ مخلوط نہ کروں گا۔ اس لئے انہوں نے تحریر احادیث کا ارادہ ترک کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں ہمیں نہ کہیں حدیث کی کوئی کتاب نظر آتی ہے نہ اہل حدیث کا کوئی فرقہ۔

امام اعظمؒ نے تدوین فقہ میں حدیثوں سے بہت کم مدد لی:

قرآن کریم کے اصولوں کی روشنی میں جزئیات مرتب کرنے کو فقہ کہتے ہیں۔ دور صحابہؓ میں فقہ کے کوئی خاص اصول مدون نہیں ہوئے تھے۔ اس باب میں سب سے پہلی اور نہایت کامیاب کوشش امام ابو حنیفہؒ کی ہے جو امت میں امام اعظمؒ کے لقب سے متعارف ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ان کا صحیح مقام بھی یہی تھا۔ وہ فن فقہ کے امام تھے اور بہت بڑے امام۔ ان کی فقہ پر آج تک عمل ہوتا چلا آ رہا ہے اور اس وقت بھی دنیا کے مسلمانوں کی اکثریت اسی فقہ کی تقلید کرتی ہے۔ اس حقیقت سے ہر صاحب علم واقف ہے کہ امام اعظمؒ کی فقہ کا مدار قیاس پر ہے۔ قیاس کے معنی یہ ہیں کہ ہم قرآن کریم کے اصولوں کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے جزئیات مرتب کریں۔ اہل علم حضرت سے یہ حقیقت بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ امام اعظمؒ نے اپنی فقہ کی تدوین میں حدیثوں سے بہت کم مدد لی ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ انہیں حدیثیں مل نہیں سکتی تھیں وہ ایک قول کے مطابق 61ھ میں اور دوسرے قول کے مطابق 80ھ میں پیدا ہوئے اور 150ھ تک زندہ رہے اس دور میں حدیثوں کا جمع کرنا اس زمانہ سے زیادہ آسان تھا جس میں ''امام بخاری'' (متوفی 256ھ) نے یہ کام کیا۔ جہاں تک احادیث کی پہچان کا تعلق ہے محمد بن سماعہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو یوسفؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں اکثر احادیث کی طرف مائل ہو گیا ہوں مگر یہ واقعہ ہے کہ ابو حنیفہؒ کو صحیح حدیث کی پہچان مجھ سے کہیں زیادہ تھی۔ (تاریخ خطیب بغدادی' ج 13' ص 34)

اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نہ تو حدیث کو وحی الٰہی کی طرح غیر متبدل سمجھتے تھے اور نہ ہی شک وشبہ سے بالا۔ وہ دین کی بنیاد سرتاپا یقینیات پر قائم سمجھتے تھے اور یقینی دین صرف کتاب اللہ کے اندر محصور تھا۔ چنانچہ علی ابن المدینی' عبدالرزاق سے نقل کرتے ہیں کہ میں معمر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ عبداللہ ابن المبارک آ گئے تو ہم نے معمر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں ایسے شخص سے واقف نہیں ہوں جو ابو حنیفہؒ سے زیادہ بہتر طور پر فقہ میں کلام کر سکے اور عقل وقیاس سے کام

لے سکے اور مخلوق کے لئے فقہ میں نجات کی راہ کو کھول کر بیان کر سکے اور خدا کے دین میں شک وشبہ کی کوئی بات داخل کرنے سے ابوحنیفہؒ سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔ (خطیب' ج 13' ص 339)۔ وہ کتاب اللہ کی روشنی میں اپنے اجتہاد اور اہل الرائے کے مشورہ سے فقہ کی تدوین کرتے۔ اس کے بعد اگر کوئی یہ کہتا کہ آپ کا یہ فیصلہ رسول اللہﷺ کی حدیث کے خلاف ہے تو وہ اس کے جواب میں یہی کہتے جو حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہﷺ کا وہ فیصلہ اس زمانہ کے لئے تھا اب حالات بدل چکے ہیں اس لئے اس فیصلہ میں بھی تبدیلی ہونی ضروری ہے۔ یا وہ حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہؓ کے اتباع میں یہ کہتے کہ کیا معلوم رسول اللہﷺ نے کیا فرمایا تھا اور سننے والے نے اسے کیا سمجھا۔ ہم کتاب اللہ کی موجودگی میں اس قسم کی غیر یقینی چیزوں کو دین کا حصہ نہیں قرار دے سکتے۔ چونکہ وہ اس حقیقت کو واضح طور پر نمایاں کر دینا چاہتے تھے کہ احادیث رسول اللہﷺ نہ تو یقینی ہیں اور نہ غیر متبدل اس لئے وہ بعض اوقات حدیث کے رد میں شدت تک بھی اختیار کر لیتے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ احادیث کو ناقابل تبدیل نہیں سمجھتے اور ضرورت پڑنے پر سختی کے ساتھ رد کر دیا کرتے تھے:

امام سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے زیادہ کسی کو اللہ پر جرأت کرنے والا نہیں دیکھا۔ وہ رسول اللہﷺ کی احادیث کے لئے مثالیں گھڑتے اور ان کو رد کر دیا کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کو معلوم ہوا کہ میں یہ حدیث نقل کرتا ہوں ''ان البیعان بالخیار مالم یتفرقا (بائع اور مشتری جب تک علیحدہ نہ ہو جائیں انہیں معاملہ کو فسخ کر دینے کا اختیار رہتا ہے) ابوحنیفہؒ کہنے لگے ''ذرا بتاؤ تو سہی اگر دونوں کسی ایک کشتی میں سفر کر رہے ہوں' اگر دونوں قید خانہ میں ایک ساتھ ہی قید ہوں' اگر دونوں ایک ساتھ ہی کسی سفر میں ہوں تو کس طرح جدا ہوں گے' (اور کیونکر ان کا معاملہ تکمیل پذیر ہوگا)۔ (خطیب' ج 13' ص 389)۔

امام اعظمؒ نے چار سو سے زیادہ احادیث کو رد کیا:

ابوصالح فراء کہتے ہیں کہ میں نے یوسف بن اسباط کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''امام ابوحنیفہؒ نے رسول اللہﷺ پر چار سو بلکہ چار سو سے بھی زیادہ حدیثوں کو رد کر دیا ہے۔'' میں نے یوسف سے پوچھا۔ اے ابومحمد! آپ کو وہ حدیثیں معلوم ہیں کہنے لگے ہاں معلوم ہیں۔ میں نے کہا تو مجھے کچھ حدیثیں بتائیے۔ یوسف بن اسباط نے کہا کہ رسول اللہﷺ کا ارشاد ہے کہ ''مال غنیمت میں گھوڑے کے دو حصے اور پیادہ آدمی کا ایک حصہ ہے۔'' مگر ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ میں ایک جانور کا حصہ ایک مومن کے حصہ سے زیادہ نہیں کر سکتا۔'' حضور اکرمﷺ اور آپ کے اصحابؓ نے برابر قربانی کے جانوروں پر نیزہ مار کر نشان لگایا ہے مگر ابوحنیفہؒ

کہتے ہیں کہ ''ایسا کرنا ایک جان دار کی صورت کو بگاڑنا ہے''۔ رسول اللہﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جب تک فروخت کرنے والا اور خریدار جدا نہ ہوں ان کو بیع فسخ کر دینے کا اختیار رہتا ہے مگر ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ جب معاملہ ہو چکا تو پھر کوئی اختیار نہیں رہتا۔'' رسول اللہﷺ کہیں سفر میں تشریف لیجاتے تو ہمراہ لیجانے کے لئے ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے اصحابؓ کا بھی اسی پر عمل رہا مگر ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ قرعہ اندازی خالص قمار اور جوا ہے۔

ابو سائب کہتے ہیں کہ میں نے (حدیث کے مشہور امام) وکیع کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم نے ابوحنیفہؒ کو دو سو حدیثوں کی مخالفت کرتے ہوئے پایا ہے۔'' عبدالاعلیٰ بن حماد، اپنے والد حماد بن سلمہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ کے سامنے رسول اللہﷺ کی حدیثیں آتی تھیں مگر وہ اپنی رائے سے ان کو رد کر دیا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے بھی مؤمل کے واسطہ سے حماد بن سلمہ کا یہی قول نقل کیا ہے۔ (خطیب، ج13، ص390-91)۔

انکارِ حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کا تشدد: ابواسحٰق فزاری کہتے ہیں کہ میں ابوحنیفہؒ کے پاس جا کر مسائل جہاد کے متعلق سوالات کیا کرتا تھا ایک دن میں نے ایک مسئلہ پوچھا۔ ابوحنیفہؒ نے اس کا جواب دیا۔ اس پر میں نے کہا کہ اس بارہ رسول اللہﷺ کا ارشاد تو اس طرح ہے۔ ابوحنیفہؒ نے کہا ''ہمیں اس سے معاف رکھو۔'' ایسے ہی ایک اور دن میں نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا جس کا انہوں نے جواب دیا میں نے پھر کہا کہ اس بارہ میں رسول اللہﷺ سے تو ایسا ایسا منقول ہے۔ تو ابوحنیفہؒ نے کہا ''*اسے لیجا کر خنزیر کی دم سے رگڑ دو۔'' ابواسحٰق فزاری کہتے ہیں کہ میں نے بادشاہِ وقت کے خلاف خروج (بغاوت) کے ناجائز ہونے پر ابوحنیفہؒ کے سامنے ایک حدیث بیان کی تو ابوحنیفہؒ کہنے لگے کہ یہ حدیث، خرافات میں سے ہے۔ علی ابن عاصم کہتے ہیں کہ ہم نے ابوحنیفہؒ کو رسول اللہﷺ کی حدیث سنائی تو ابوحنیفہؒ نے کہا کہ میں اسے قبول (تسلیم) نہیں کرتا۔ میں نے کہا کہ یہ رسول اللہﷺ کا ارشاد ہے، ابوحنیفہؒ نے پھر کہا۔ ہاں ہاں میں اس کو قبول نہیں کرتا۔ (خطیب، ج13، ص387)۔

بشر بن المفضل کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے بیان کیا کہ نافعؒ ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ نبیﷺ نے ارشاد فرمایا۔ بائع اور مشتری (بیچنے والا اور خریدار) جب تک جدا نہ ہو جائیں انہیں فسخ بیع کا اختیار رہتا ہے۔ ابوحنیفہؒ نے کہا یہ تو محض ایک رجز (جنگی گیت) ہے۔ میں نے کہا کہ قتادہؒ حضرت انسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک مسلمان لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا تھا تو رسول اللہﷺ نے بھی اس یہودی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا۔ ابوحنیفہؒ نے کہا کہ یہ محض بکواس (ہذیان)

*امام اعظمؒ کے اصل عربی الفاظ یہ ہیں ''فقال حک ھذا بذنب خنزیر'' (خطیب، ج13، ص387، سطر 12)

ہے۔ عبدالصمد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا (افطر الحاجم والمحجوم) سینگی لگوانے والے اور لگانے والے' دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ابوحنیفہؒ نے کہا یہ محض قافیہ بندی ہے۔ ایسے ہی ان کے سامنے ولاء کے بارہ میں حضرت عمرؓ کا ایک فیصلہ نقل کیا گیا تو ابوحنیفہؒ نے کہا یہ کسی شیطان کا قول ہے۔ عبدالوارث نے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے یحییٰ ابن آدم کہتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ کے سامنے یہ حدیث نقل کی گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ''وضو آدھا ایمان ہے۔'' ابوحنیفہؒ کہنے لگے پھر تو دو مرتبہ وضو کر ڈالو تاکہ تمہارا ایمان مکمل ہو جائے۔ اسی طرح ابوحنیفہؒ کے سامنے یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ ''لا ادری'' (میں نہیں جانتا) کہہ دینا بھی آدھا علم ہے۔'' ابوحنیفہؒ کہنے لگے کہ ''بس پھر تو دو مرتبہ لا ادری کہہ دینا چاہئے تاکہ علم مکمل ہو جائے۔

یہ احکام گذر چکے اور ختم ہو چکے: بشر ابن السری کہتے ہیں کہ میں ابوعوانہ کے پاس گیا اور میں نے ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے پاس ابوحنیفہؒ کی کوئی کتاب ہے۔ ذرا اسے نکال دیجئے (میں اس کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں) ابوعوانہ کہنے لگے بیٹا! تم نے خوب یاد دلایا۔ چنانچہ وہ ایک صندوق کی طرف اٹھ کر گئے اور ایک کتاب نکالی اور ریزہ ریزہ کر کے اسے پھینک دی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے یہ کیا غضب کیا۔ کہنے لگے ''میں ایک روز ابوحنیفہؒ کے پاس بیٹھا تھا کہ سلطان کی طرف سے ایک ایلچی آیا۔۔۔ اس نے کہا امیر نے پوچھا ہے کہ ایک آدمی نے شہد کا چھتہ چرا لیا ہے۔ اس کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ ابوحنیفہؒ نے بلا کسی ہچکچاہٹ کے جواب دیا کہ اس کی قیمت اگر دس درہم ہو تو اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ ایلچی چلا گیا تو میں نے ابوحنیفہؒ سے کہا ''تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ مجھ سے یحییٰ بن سعید (قطان) نے بیان کیا ہے' انہوں نے محمد بن حبان سے' انہوں نے رافع بن خدیج سے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ پھل پھلواری کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ فوراً اس آدمی کی مدد کو پہنچئے ورنہ امیر کے ہاں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ ابوحنیفہؒ نے پھر بلا کسی ہچکچاہٹ کے کہا۔ ''یہ حکم گذر چکا اور ختم ہو چکا'' چنانچہ اس چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ ایسے آدمی کی کوئی کتاب میرے پاس نہیں رہنی چاہئے۔ (خطیب' ج 13' ص 91-390)۔

عقیقہ کرنا جاہلیت کے اعمال میں سے ہے: ابوبکر اثرم کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ احمد بن حنبلؒ نے ہمارے سامنے عقیقہ کے باب میں رسول اللہ ﷺ کی بہت سی حدیثیں' صحابہؓ کے آثار اور تابعین کے اقوال بیان کئے۔ پھر بطور تعجب کے مسکراتے ہوئے فرمانے لگے ''مگر ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ یہ جاہلیت کے اعمال میں سے ایک عمل ہے۔ محمد بن یوسف بیکندی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا گیا کہ نکاح سے پہلے بھی طلاق دی جا سکتی

ہے۔امام احمد کہنے لگے مسکین ابوحنیفہؒ گویا وہ عراق میں تھے ہی نہیں، گویا انہیں علم سے کچھ مس تھا ہی نہیں، اس باب میں رسول اللہ ﷺ، صحابہؓ اور تیس کے قریب کبار تابعین، سعید بن جبیر۔سعید بن المسیب، عطاء، طاؤس اور عکرمہ وغیرہ کے ارشادات اور اقوال موجود ہیں کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں پڑسکتی۔ابوحنیفہؒ ایسا کہنے کی جرأت کیونکر کرتے ہیں کہ طلاق پڑجاتی ہے۔(خطیب، ج13، ص411)۔

آپ نے دیکھا کہ حدیث کے متعلق فقہ اسلامی کے سب سے بڑے امام کا مسلک کیا ہے۔ان کی مدون فرمودہ یا ان کی طرف منسوب کردہ فقہ مسلمانوں کی اکثریت میں رائج ہے لیکن ہمارے ہاں نہ تو امام اعظمؒ کو منکر حدیث کہا جاتا ہے اور نہ ہی حنفی مسلمانوں کو (آج کل فرقہ اہل حدیث کی کتابوں میں حنفیوں کو بھی شدومد کے ساتھ منکرِ حدیث کے لقب سے نوازا جانے لگا ہے) حالانکہ جس تشدد سے انکارِ حدیث امام ابوحنیفہؒ کے ہاں پایا جاتا ہے کسی ''منکر حدیث'' کے ہاں کم ہی ایسا پایا جاتا ہوگا۔کم ازکم طلوع اسلام میں ایسا تشدد آپ کو کبھی نظر نہیں آئے گا۔لیکن اس کے باوجود طلوعِ اسلام کو منکر حدیث قرار دے کر کافر ٹھہرا دیا جاتا ہے اور حیرت یہ ہے کہ ایسا کہنے والے خود اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں اور فقہ حنفی کو بطور قانونِ مملکت پاکستان میں رائج کرنا چاہتے ہیں۔آپ نے غور فرمایا کہ یہ لوگ عوام کی جہالت سے کس قدر فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اگر میں رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہوتا تو آپ بھی میرے بہت سے اقوال کو اختیار فرما لیتے: امام اعظمؒ نے اپنے اس مسلک کی تائید میں دلائل بھی پیش کئے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ تعیین جزئیات (تدوین فقہ) میں صحابہؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور جس کی رائے بہتر معلوم ہوتی تھی اسے اختیار فرما لیا کرتے تھے۔اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اگر میں بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہوتا تو میں بھی اس مجلس مشاورت میں شریک ہوتا اور میرا خیال ہے کہ کئی امور میں حضور ﷺ میری رائے کو اختیار فرما لیتے۔چنانچہ محمود بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے یوسف بن اسباط سے سنا کہ امام ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر رسول اللہ ﷺ مجھے پاتے اور میں آپ کو پاتا تو بہت سی باتوں میں یقیناً آپ میرے قول کو اختیار فرما لیتے اور ابواسحٰق کو میں نے کہتے سنا ہے کہ ابوحنیفہؒ کے سامنے اکثر نبی ﷺ کی حدیثیں آتیں اور وہ ان کی مخالفت کیا کرتے۔(تاریخ خطیب، ج13، ص387)۔

یوسف بن اسباط سے ابو صالح الفراء نے بھی اسی قول کو نقل کیا ہے۔ان کے الفاظ یہ ہیں:

> ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ نبی ﷺ مجھے پاتے اور میں آپ کو پاتا (یعنی دونوں ایک زمانہ میں ہوتے) تو آپ میرے بہت سے اقوال کو اختیار

فرما لیتے۔ دین اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ ایک اچھی اور عمدہ رائے کا نام ہے۔

(ایضاً' ج13' ص390)۔

ہمارا خیال ہے کہ اس باب میں کسی مزید وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی طلوع اسلام بھی یہی کہتا ہے کہ مرکز ملت نمائندگان امت کے مشورہ سے قرآنی اصولوں کی روشنی میں جو فیصلے کرے وہ شریعت اسلامی کہلاتے ہیں اور یہ فیصلے زمانے کے حالات کے ساتھ ساتھ قابل تغیر و تبدل ہوتے ہیں لیکن حیرت ہے کہ جناب امام ابوحنیفہؒ اس عقیدہ کو رکھتے ہوئے متبع سنت قرار پائیں اور طلوع اسلام کو اسی عقیدہ کی بنا پر کافر ٹھہرا دیا جائے۔

(جاری ہے)

پلاٹ برائے فروخت

Litigation Free پلاٹ نمبر 25۔اے' احباب کواپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لاہور برائے فروخت ہے۔خریدنے کے خواہش مند درج ذیل پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

فون نمبر:042-35961809' موبائل:0346-4318077

سانحہ ہائے ارتحال

بزم طلوع اسلام ایبٹ آباد کے نمائندہ اور تحریک طلوع اسلام کے دیرینہ رکن شیخ صلاح الدین گذشتہ دنوں وفات پا گئے ہیں۔فکر قرآنی کی توسیع و تعارف کے سلسلہ میں ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت عطا کرے۔ ادارہ مرحوم کے اعزہ و اقربا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

بزم طلوع اسلام اوکاڑہ کے فعال رکن طارق پاشا صاحب وفات پا گئے ہیں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق۔ادارہ مرحوم کے عزیز و اقارب کے دکھ میں برابر کا شریک ہے۔

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکرِ قرآنِ مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔

WWW.QURANBREEZE.COM, WWW.TOLUISLAM.COM

سی ڈی اور کتب کی خریداری ☆ بیرون ملک bazmdenmark@gmail.com, PDF.EBOOK

☆ اندرون ملک' فون:35753666 42 92+' ای میل:trust@toluislam.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درس نظامی

مسلمان ممالک میں بیداری کی لہر

مسلمان خواہ وہ مسلم ممالک میں رہ رہے ہوں اور خواہ وہ غیر مسلم ممالک میں اقلیت کی حیثیت سے رہ رہے ہوں، انہوں نے تقریباً دو سو سال تک مغربی ممالک کے زیر حکومت مُردوں کی طرح زندگی بسر کی ہے۔ بیسویں صدی کے وسط میں دنیا کے سیاسی حالات کے تبدیل ہونے سے انہیں ازخود آزادی حاصل ہوگئی ہے۔ اگر یورپ کی دو جنگیں نہ ہوتیں اور امریکا کا دباؤ نہ ہوتا، تو ہندوستان بھی شاید آزاد نہ ہوتا۔ مسلم ممالک میں مسلمانوں کو جو آزادی حاصل ہوئی ہے۔ تو اس کے حصول میں مسلمانوں کا اپنا کردار بہت معمولی تھا۔ سیاسی حالات کے تقاضوں کی وجہ سے انہیں آزادی حاصل ہوئی ہے۔ یہ آزادی برقرار رہتی لیکن مسلمانوں کی بدنصیبی کہ ان کے ہر ملک کی قیادت بددیانت، نااہل اور اقتدار کے لئے مر مٹنے والی ہے۔ وہ لیڈرز اپنی جان تو دے سکتے ہیں، لیکن اقتدار چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ پھر اقتدار کی یہ ہوس ان کی اپنی ذات تک محدود نہیں رہتی بلکہ ان کی حد درجہ کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کے بعد یہ اقتدار ان کی اولاد میں پشت در پشت چلتا رہے۔ سیریا کے حافظ الاسد، مصر کے حسنی مبارک اور لیبیا کے قذافی اور ہمارے ملک کے قائدین و اکابرین، اس ہوس کے محسوس پیکر ہیں۔ آج مسلم ممالک میں جو بیداری کی لہر آئی ہے۔ اگرچہ وہ ایک خوش آئند بات ہے لیکن جس طرح وہاں نااہل اور کرپٹ قیادت کی ہدایت پر جوانوں کا خون بہایا جا رہا ہے، اس پر خوں کے آنسو آنکھوں سے رواں ہوتے ہیں۔ جس طرح مسلمان خواتین کا شیر، مسلم ممالک کی گلیوں میں، لہو ہو کر بہ رہا ہے، وہ مسلم امت کو خاک و خوں میں غلطاں کر رہا ہے۔ قومیں قربانیاں دیتی ہیں لیکن جن قربانیوں کا سبب غیر نہیں بلکہ اپنے ہی ہوں اور جن قربانیوں کے خون کا رائیگاں جانے کا خدشہ ہو، ان قربانیوں پر دل اور بھی بے تاب ہوتا ہے، مصری اخبارات میں ایسی تصاویر شدت سے آتی ہیں جن میں مصری نوجوان جیل کی کوٹھڑیوں میں قید بھگت رہے ہیں اور ان سے ملنے کے لئے ان کی جوان بیویاں کوٹھڑی کے باہر کھڑی ہیں۔ ان نوجوان لڑکیوں کی گود میں ننھے ننھے بچے بھی ہوتے ہیں۔ وہ اتنے معصوم ہوتے ہیں کہ انہیں یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ان کا باپ جیل کے اندر ہے اور وہ کسی اپنے جرم کی وجہ سے جیل میں نہیں ہے بلکہ اپنی قوم کی خاطر یہ قربانی دے رہا ہے۔ اس

قسم کے فوٹو دیکھ کر دل کٹ جاتا ہے اور جگر پھٹنے لگتا ہے۔ ان فداکاروں اور جاں نثاروں کے لئے قرآن کریم نے فرمایا ہے۔ **مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيْلاً** (33:23)- ایمان والوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ خدا سے انہوں نے (جان نثاری کا) جو عہد کیا تھا' اسے پورا کر دکھایا۔ غرض ان میں سے بعض وہ ہیں جو مر کر اپنا وعدہ پورا کر گئے اور ان میں سے بعض منتظر بیٹھے ہیں۔ لیکن انہوں نے (اپنے تمام مصائب و مشکلات کے باوجود) اپنا مشن نہیں بدلا اور اپنی بات پر قائم ہیں۔ کیا اعلیٰ مقام ہے ان لوگوں کا اور کس درجہ تعریف و توصیف کے حقدار ہیں یہ لوگ۔

مسلمانوں کی تباہی کا کوئی ایک سبب نہیں ہے بلکہ ان کی تباہی کے کئی اسباب ہیں مگر اس تباہی کا بنیادی سبب مسلمانوں کا اپنی آئیڈیالوجی' یعنی قرآن کریم کے نظام کو چھوڑنا ہے۔ کسی قوم کی ترقی کے لئے دو اسباب ہونے ضروری ہوتے ہیں۔ ایک تو ایسی آئیڈیالوجی' جو وقت کے تقاضے پورے کرنے کے علاوہ آئندہ کے تقاضوں کو بھی Face کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو اور دوسرا سبب اس قوم کی اچھی قیادت۔ اگر آئیڈیالوجی مضبوط اور صحت مند ہے تو قیادت خود بخود اس سے نکل آتی ہے کیونکہ ایک صحت مند آئیڈیالوجی کی یہ اپنی خصوصیت اور اس کی یہ تومندی ہوتی ہے کہ وہ ایک صالح قیادت پیدا کرے جس کی وجہ سے دنیا میں اقتدار ملتا ہے اور یہ اقتدار خود اس آئیڈیالوجی پر عمل کرنے کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے (24:55)- مسلمانوں کی بدقسمتی کہ انہوں نے اپنی آئیڈیالوجی بھی چھوڑی اور پھر اس کے نتیجہ میں ان کی قیادت بھی نااہل پیدا ہونی شروع ہوگئی۔ قرآن کریم ہماری آئیڈیالوجی اور حضور اکرمﷺ ہمارے اولین قائد تھے۔ قرآن کریم نے انسانیت کو پہلی بار نظام کے تصور سے آشنا کرایا اور اس نظام کی اطاعت کو اللہ و رسول کی اطاعت قرار دیا۔ اس میں اطاعت حضورﷺ کی ذاتی شخصی نہیں تھی بلکہ اطاعت اس نظام کی مقصود تھی جو ساری انسانیت کی پرورش کرنے کا ذمہ دار ہے۔ مسلمانوں کی ترقی کا راز ان کا یہ نظام اور حضورﷺ کی قیادت تھی۔ حضورﷺ کی قیادت سے بہتر قیادت کسی قوم کو نصیب نہیں ہوسکتی۔ پھر مسلمانوں کی بدقسمتی ان کے آڑے آئی کہ انہوں نے اپنا نظام چھوڑ کر اپنے وضع کردہ نظریات کو اپنا ضابطۂ حیات بنایا اور اس طرح دین کو مذہب میں تبدیل کر دیا اور حضور اکرمﷺ اور خلافت راشدہ جیسی بے مثال قیادت کی جگہ ملوکیت نے غلبہ حاصل کر لیا۔ جس میں ایک ایک خلیفہ کے حرم میں دو دو ہزار کنیزیں ہوتی تھیں۔ یہ خود بڑی حیرانی کی بات ہے کہ صدر اول کے صرف 30 سال کا یہ اتنا قوی اثر تھا کہ مسلمان کئی صدیوں تک اسی Momentum پر چل کر سپر پاور بنے رہے۔ دین کے

مذہب میں تبدیل ہونے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ مسلمانوں میں روحانیت کا تصور درآیا جس کا خاصّہ دنیا سے نفرت اور آخرت کی تیاری ہوتا ہے۔ دین میں چونکہ اجتماعیت ہوتی ہے اور مذہب میں انفرادی نجات کا تصور ہوتا ہے۔اس لئے مذہب پرست قوم اس دنیا میں ترقی کر ہی نہیں سکتی۔ قرآن کریم کی وہ آیات جو اس دنیا میں سرفرازی اور قیادت کی داعی تھیں اور اب بھی ہیں۔ مذہب نے ان کو آخرت سے وابستہ کر دیا۔ آپ ان آیات میں سے چند آیات کے دینی اور مذہبی مفاہیم ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو دین کے مذہب میں تبدیل ہونے کے نقصان کا صحیح اندازہ ہوگا۔

(1) ارشادِ عالی ہے: **وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا** (2:143)۔(ترجمہ) اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک عادل امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہی دینے والا بنے اور اس طرح تم اس دنیا میں ساری انسانیت کی نگرانی کرتے رہو۔

''تدبر قرآن'' میں تحریر ہے: ''ہمارے ارباب تاویل نے عام طور پر اس شہادت کو آخرت سے متعلق مانا ہے کہ یہ امت گمراہوں کے خلاف انبیاء کی تائید میں آخرت میں گواہی دے گی کہ گمراہوں کو اللہ کا دین پہنچ چکا تھا۔اس کے باوجود انہوں نے گمراہی کی روش اختیار کی۔'' (جلد اول' ص365)۔

تفسیر کثیر میں اس آیت کی تفسیر میں یہ تحریر ہے کہ:

''مُسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور ان سے دریافت کیا جائے گا کہ تم نے میرا پیغام میرے بندوں کو پہنچا دیا تھا وہ کہیں گے کہ ہاں اللہ' پہنچایا تھا۔ان کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھ ہوگی کہ کیا نوح علیہ السلام نے میری باتیں تمہیں پہنچائی تھیں! وہ صاف انکار کریں گے اور کہیں گے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا کہ تمہاری امت انکار کرتی ہے تم گواہ پیش کرو۔ وہ کہیں گے کہ ہاں محمد ﷺ اور آپ کی امت میری گواہ ہے۔ یہی مطلب ہے اس آیت **کذلک جعلنا کم** کا''۔(تفسیر کثیر' جلد اول' ص208)۔

اس آیت کے بارے میں تفسیر مظہری میں ہے:

''علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو ایک جگہ جمع کرے گا۔ پھر گذشتہ امتوں کے کفار سے خطاب فرمائے گا کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا۔ وہ صاف انکار کر دیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نہیں آیا۔ پھر اللہ تعالیٰ انبیاءؑ سے گواہ طلب کرے گا اس وقت امت محمدیہؐ حاضر ہوگی اور گواہی دے گی کہ انبیاءؑ نے سب احکام پہنچا دیئے۔'' (جلد اول' صفحہ 183)۔

اس آیت کی تفسیر میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے: ''باشد رسول شما برشما گواہ۔ زیرانکہ او مطلع است بنور نبوت رتبہٗ ہر متدین بدین خود کہ درکرام درجہ دین من رسیدہ حقیقت ایمان اور چیست و حجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است۔ (ترجمہ) تمہارا رسول تم پر گواہ رہے گا' کیونکہ وہ جانتے ہیں اپنی نبوت کے نور سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رتبہ کو کہ میرے دین میں اس کا کیا درجہ ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ کونسا پردہ ہے جس سے اس کی ترقی رکی ہے۔''

ایک دوسری آیت ملاحظہ فرمائیں: **هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (9:33)-** (ترجمہ) وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے وہ سارے ادیان پر غالب کر دے خواہ مشرک کیسا ہی ناراض ہوں۔ مولانا عبدالماجد دریابادی بہت روشن خیال اور موجودہ دور کے تقاضوں سے باخبر مفسر شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے اس غلبہ کے متعلق لکھا ہے ''بہت مفسرین اس طرف بھی گئے ہیں کہ اسلام کے غلبہٗ دین کامل کا ظہور و مشاہدہ قرب قیامت میں ہوگا جبکہ نزول مسیحؑ کے وقت دوسرا دین موجود نہ رہ جائے گا۔

حضرت شیخ الہند کے ترجمہ پر تفسیری نوٹ میں حضرت العلامہ مولانا عثمانی رقم طراز ہیں ''اور دین حق کا ایسا غلبہ کہ باطل ادیان کو مغلوب کر کے بالکل صفحۂ ہستی سے محو کر دے یہ نزول مسیح کے بعد قربِ قیامت کے ہونے پر ہو گا۔''

تفسیر مظہری میں تحریر ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ اور ضحاک نے کہا یہ بات حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے وقت ہو جائے گی۔ تمام مذاہب والے مسلمان ہو جائیں گے۔

تفسیر نمونہ میں تحریر ہے ''البتہ مختلف روایات جو منابع اسلامی میں وارد ہوئی ہیں ان کے مطابق اس پروگرام کا تکامل اس وقت ہو گا جب حضرت مہدی علیہ السلام ظہور کریں گے۔ اور اسلام کے عالمی پروگرام کو تحقق بخشیں گے اور عالمی طور پر اس کو نافذ کریں گے۔''

مضمون کی طوالت کے خوف سے صرف ان دو آیات پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ اس طرح کی بے شمار آیات قرآن کریم میں موجود ہیں جن کا اس بات پر شدید اصرار ہے کہ مسلمان غلبہ حاصل کر کے' قرآن کریم کے نظام کو ساری دنیا میں نافذ کریں اور اس نظام کے اجراء و نفوذ سے ساری دنیا کی نگرانی اور انسانیت کی خدمت کریں۔ ان کے مسائل حل کریں اور ان کے تنازعات کا فیصلہ کریں۔ لیکن ہمارے سارے مفسرین کرام نے اس دنیا کے حالات سے بالکل صرف نظر کر کے اپنا مطمح اور مقصد صرف آخرت کو بنایا ہوا ہے۔ اس دنیا کے افلاس' زبوں حالی' غربت' بدحالی'

محکومی کو وہ بالکل نظرانداز کر دیتے ہیں اور صرف آخرت کی سرخروئی اور کامیابی کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ آیات کریمات مسلمانوں کے لئے اس دنیا کے غلبہ اور اقتدار کے لئے اس قدر واضح ہیں کہ ان آیات کی تفسیر معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ آیت کی تفسیر معلوم کرنے کی ضرورت صرف ان آیات میں ہوتی ہے جن کی کوئی بات سمجھ میں نہ آتی ہو۔ اس دنیا میں اسلام کا نظام جاری کرنے کے لئے جو آیات قرآن کریم میں آئی ہیں ان میں سے کسی ایک آیت میں بھی کسی مفسر کی تفسیر کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی۔ آپ خود اس موضوع سے متعلقہ آیات ملاحظہ فرمالیں اور اگر ترجمہ خود نہ کرسکیں تو البتہ ان کا ترجمہ قرآن کریم کے کسی نسخہ میں ملاحظہ فرمالیں۔ وہ آیات خود اپنے منہ سے بولتی ہیں کہ وہ اس دنیا میں مسلمانوں کی حالت درست کرنے کے لئے ہیں۔ آخرت سے ان کا کوئی تعلق نہیں لیکن ایسی بے شمار آیات کو ہمارے مفسرین کرام آخرت سے منسلک کر دیتے ہیں۔

اس دنیا کی تحقیر اور اس سے بے نیازی اور آخرت کی فکر اور ہمہ وقت اس کے لئے تیاری میں مصروف رہنے کی واحد وجہ روحانیت کا غلط تصور ہے اور جب تک مسلمانوں میں روحانیت اور پرستش کا تصور باقی رہے گا' خواہ وہ کتنی ہی کوشش کرلیں' اس دنیا میں کبھی کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔

روح کے غلط تصور کے متعلق اس سے پیشتر اس رسالہ میں متعدد مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ اس لئے قارئین کرام کا وقت ضائع نہ کرنے کے خیال سے صرف تجدیدِ یادداشت کے لئے صرف اتنا عرض ہے کہ روح کا یہ تصور مسلمانوں میں روایات کے ذریعے داخل ہوا ہے کہ جب جنین چار ماہ کا ہوتا ہے تو اس میں روح داخل ہوتی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ قرآن کریم میں روحِ خداوندی کا ذکر تو موجود ہے لیکن روح انسانی کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے اور نہ ہی تزکیۂ روح کا کوئی حوالہ ملتا ہے۔ کیونکہ نطفہ تو خود زندہ ہوتا ہے اس لئے اس میں روح ڈالنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز یہ کہ قرآن کریم نے جنین کی نشوونما کے مراحل سلسلہ وار واضح کر دیئے ہیں۔ جنین کی ساری Stages از اول تا آخر قرآن کریم نے ترتیب وار کئی جگہ بیان کر دی ہیں 22:5, 40:67, 23:14 لیکن کسی ایک جگہ بھی ادخالِ روح کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اس لئے روح اور روحانیت کا تصور ہی خلافِ قرآن ہے لہٰذا قرآن کریم سے پرستش کرنے کی کوئی اجازت نہیں ملتی۔ پرستش کی کوئی جامع و مانع تعریف نہیں ہو سکتی۔ ہمارے نزدیک تو ہر وہ کام جو اسلامی نظام سے بالا بالا' بغیر اسلامی نظام کو Involve کئے' خوشنودئ خداوندی کی خاطر کیا جائے' وہ پرستش ہے' اس کی جس قدر

بھی اقسام ہوں، اس میں نظام اسلامی کو Ignore کرنے کا عنصر ضرور پایا جائے گا۔

ہمارے سامنے مغربی ممالک کی مثال بہت واضح ہے، جب تک مغربی ممالک مذہب کی گرفت میں رہے۔ ان کی توجہ آخرت پر تھی، اس دنیا کی طرف ان کی توجہ نہیں تھی وہ بھی روحانیت کے عقیدے میں پھنسے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے مذہب اور روحانیت کے دائرہ سے قدم باہر نکالا اور دنیاوی معاشروں کی اصلاح کی طرف توجہ دی، انہوں نے بھی دنیاوی ترقیاں کیں، نہایت عمدہ معاشرے قائم کئے لیکن افسوس کہ ان کے پاس وحی الٰہی کی روشنی نہیں تھی اس لئے انہوں نے وہ معاشرے صرف اپنی عقل کے زور پر قائم کئے۔ ان معاشروں کی بنیاد باطل پر تھی۔ ان کے ہاں مستقل اقدار اور مکافاتِ عمل کا تصور ہی نہیں ہے۔ اس لئے ان تمام معاشروں میں صرف اپنے مفادات پیش نظر رہے اور دوسری اقوام کی لوٹ کھسوٹ ان کا مطمحِ نگاہ رہا۔ چونکہ ان کے مفادات ایک دوسرے سے متصادم تھے، اس لئے یورپ میں جو عظیم جنگیں برپا ہوئیں۔ وحی الٰہی کی محرومی کی وجہ سے ان کے پاس کوئی ایسی اساس محکم نہیں تھی جس پر وہ نظام عالم کو تعمیر کرسکیں۔ علامہ اقبالؒ نے ان کے اس سقم اور ان کی اس کمزوری کے متعلق فرمایا تھا۔

ایکہ می خواہی نظامِ عالمے
جُستۂ اورا اساس محکمے

روح کے تصور کے برخلاف قرآن کریم نفس انسانی یا ذاتِ انسانی کا تصور دیتا ہے اور یہ وہ اساس محکم اور عروۃ الوثقٰی ہے جس پر وہ اپنا نظام تعمیر کرتا ہے، ہر بچہ کو قدرت کی طرف سے ایک ذات عنایت ہوتی ہے، اس ذات کی نشوونما انسانی زندگی کا مقصد ہے۔ بچہ بھی بہت چھوٹا پیدا ہوتا ہے، فطرت کے قوانین کے مطابق اس کا جسم ترقی کرتا ہوا، پانچ یا چھ فٹ تک پہنچ جاتا ہے۔ بیج بہت چھوٹا سا ہوتا ہے۔ فطرت کے قوانین کے مطابق یہ ایک بہت بڑا درخت بن جاتا ہے، اسی طرح ذات انسانی کی نشوونما ہوتی ہے، اس ذات کی نشوونما میں فطرت کے قوانین کا کوئی دخل نہیں ہوتا، اس ذات کی نشوونما وحی الٰہی کی عطا کردہ مستقل اقدار کے ذریعہ ہوتی ہے، اور یہی وہ مقام ہے جہاں انسانیت کو وحی کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی رو سے انسانی ذات کی نشوونما معاشرے کے اندر رہتے ہوئے باہمی تعاون اور ایثار کے ذریعے ہوتی ہے۔ انسانی ذات میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات مضمر ہوتی ہیں، ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ ان صفاتِ الٰہیہ کو علی حدِ بشریت اپنے اندر Develop کرے۔ انسان میں جس قدر یہ صفات نمود حاصل کریں گی۔ اسی قدر اس کو قربِ الٰہی حاصل ہوتا چلتا ہے۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جو محسوس نہ ہوسکے۔ جس فرد میں جس قدر زیادہ صفات منعکس ہوں گی ہر دنیاوی معاملہ میں اس کا ردعمل اس صفت کے مطابق ہوگا۔ اگر کسی شخص میں

اللہ تعالیٰ کی صفت عفو کا ظہور ہو گیا تو وہ انتہائی سخت معاملات میں بھی عفو و درگذر سے کام لے گا۔ اگر کسی شخص میں صفت عدل منعکس ہو گئی تو وہ ہر جگہ عدل سے کام لے گا' قرآن کریم پر غور و فکر سے خود انسان کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی کس صفت کا ردعمل کرنا برمحل ہو گا۔ ہر فرد میں صفات خداوندی کے انعکاس سے معاشرہ میں سکون و اطمینان' دیانتداری' صبر' ایثار' تعاون' ہمدردی جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوتی ہیں۔

قرآن کریم کا نفس انسانی یا ذات انسانی کا عطا کردہ تصور اسلامی نظام کی اساس اس طرح بھی بنتا ہے کہ قرآن کی رو سے اپنی کمائی ہوئی دولت کو دوسروں پر صرف کرنے سے انسانی نفس کی پرورش ہوتی ہے (92:18)- اس طرح دوسروں کی پرورش کرنے سے اپنی پرورش ہوتی ہے۔ جس معاشرہ کے ہر فرد کو' اس بات کا علیٰ وجہ البصیرت یقین ہو گا کہ دوسروں کی پرورش سے اس کی اپنی ذات کی پرورش ہوتی ہے وہ جنتی معاشرہ بن جاتا ہے۔ قرآن کریم جسم انسانی کی پرورش کو بھی Ignore نہیں کرتا۔ یہی وہ Vehicle ہے جس کے ذریعہ نفس کی پرورش ہوتی ہے۔ البتہ نفس اور جسم کی پرورش کے ذرائع بالکل مختلف اور ایک دوسرے کے متضاد ہیں کہ ان میں ہر ہر مقام پر آپس میں Tie آ کر پڑتی رہتی ہے۔ جسم کی پرورش اپنے مال کو اپنے اوپر خرچ کرنے سے ہوتی ہے۔ ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ عمدہ سے عمدہ غذا کھائے۔ خوبصورت لباس استعمال کرے۔ گرمی میں A . C . اور سردی میں Heater استعمال کرے۔ ٹرین کی بجائے جہاز میں سفر کرے' غرض جسم کو جس قدر سہولتیں مہیا کر سکے وہ مہیا کرے اور اپنی ساری کمائی اپنے پر صرف کر دے' اس کے برخلاف نفس کے ارتقاء کا یہ تقاضہ ہے کہ اپنے لئے کم سے کم سہولتیں مہیا کر کے' زیادہ سے زیادہ کمائی کو دوسروں پر صرف کرے' اس سے نفس انسانی ترقی کرتا ہے۔ قرآن کریم کے وحی الٰہی ہونے کا یہ سب سے بڑا ثبوت ہے کہ وہ ایسا نظام پیش کرتا ہے جس میں دونوں چیزوں یعنی جسم اور نفس کی پرورش ساتھ ساتھ ہوتی چلتی ہے۔ عقل انسانی ایسا نظام وضع کرنے سے قاصر ہے۔ انسانوں کے وضع کردہ نظام میں یا جسم کی پرورش ہو سکتی ہے یا ذات کی۔ یورپ کے سیکولر نظام میں صرف جسم کی پرورش ہوتی ہے' اور خانقاہی نظام میں ان کے دعویٰ کے مطابق صرف روح کی۔ دونوں کی پرورش غیر اسلامی نظام میں کبھی نہیں ہو سکتی۔ مستقل اقدار پر مبنی ہر عمل فرد اور معاشرہ دونوں کے لئے خوشگوار نتائج پیدا کرتا ہے۔

انسانی ذات کا تصور اسلامی نظام کی اساس محکم اس طرح بنتا ہے کہ ذات کی نشو و نما کے لئے جو احکامات دیئے گئے ہیں' ان پر عمل کرنے سے معاشرہ میں ازخود ان کے اثرات پڑتے ہیں۔ قرآن نے حکم دیا چوری نہ کرو' زنا نہ کرو' مال پورا تول کر دو' دھوکا نہ دو' ہمیشہ عدل و انصاف کی

بات کرو (6:153)- دوسروں کے گھروں میں بغیر اجازت داخل نہ ہو۔ اپنے گھر میں جاؤ یا دوسروں کے گھروں میں جاؤ اہل خانہ کو سلام کرو (24:6)- حسد نہ کرو' دوسروں کو معاف کرو' کسی کو قتل نہ کرو' یہ تمام احکامات نفس انسانی کی نشوونما کرنے کے لئے دیئے گئے ہیں۔ جس معاشرہ کے افراد ان تمام احکامات پر عمل کریں گے ان کا اثر معاشرہ پر از خود ہوتا چلا جائے گا۔ اس کے برخلاف جس معاشرہ میں ذات کے خلاف جرائم کا انسداد نہیں ہوگا وہ معاشرہ حسن تدبر سے معاشرہ کے زوال کو نہیں روک سکتا۔ جو معاشرہ بدسیرت لوگوں پر مشتمل ہوگا' جیسا کہ آج کل ہمارا پاکستانی معاشرہ بن گیا ہے' وہ معاشرہ پختہ سیرت لوگوں کے تعمیری کاموں سے محروم رہتا ہے۔ اس کی وضاحت کسی مغربی ملک اور ہمارے پاکستانی معاشرہ کے تقابل سے سامنے آسکتی ہے اور اسی کو قرآن نے لوگوں پر لوگوں کی لعنت فرمایا ہے۔

نفس انسانی وہ محکم اساس ہے جس پر قرآنی نظام قائم ہوتا ہے' اس نفس کی پرورش جو انسان کا مقصد حیات ہے۔ صرف مستقل اقدار پر عمل کرنے سے ہوتی ہے جن کا اجراء اور نفاذ اسلامی نظام میں ہی ہوسکتا ہے۔ قرآن کی رو سے خدا پرستی' پرستش یا گوشوں زاویوں میں بیٹھ کر اور وظائف کے ذریعہ نہیں ہوتی بلکہ اسلامی نظام قائم کرکے خدا کے قوانین کو عملاً اس دنیا میں جاری کرکے' اس کی اطاعت کرنے سے خدا پرستی ہوتی ہے اور ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنا نیک عملی ہے' خدا پرستی کے علاوہ بھی قبولیت دعا' حصول ثواب' مغفرۃ' رزق حلال' شفاعت سب اسلامی نظام کے ذریعے ہی حاصل ہوتے ہیں۔

اسلامی ممالک میں آج کل جو بیداری کی لہر بلند ہورہی ہے اور نوجوان طبقہ اپنے حکمرانوں سے بغاوت کر کے نئے معاشرے تشکیل دینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ کسی ملک میں بھی دین کا تصور سامنے نہیں ہے صرف پرستش کا ہی غلبہ ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ افراد بدل جائیں گے نظام نہیں بدلے گا' ایران کی مثال ہمارے سامنے ہے' اس بات پر سخت افسوس ہوتا ہے کہ تحریک طلوع اسلام کے وسائل اس درجہ محدود ہیں کہ اس تحریک کی آواز ان تک نہیں پہنچ سکی۔ ورنہ یہ بڑا Crucial موقع تھا' جس کو Mis کرنے کا بہت افسوس رہے گا۔ ورنہ موجودہ دور کے تقاضے پکار پکار اقامتِ دین کا مطالبہ کررہے ہیں' لیکن یہ کمزوری ہماری ہے کہ ہم انہیں قرآن کی روشنی نہ پہنچا سکے اور ہم نے انہیں اس روشنی سے محروم رکھا۔ یاد رکھیں جب بھی کسی اسلامی ملک میں الیکشن کے ذریعے حکومت قائم ہوگی وہ یا تو سیکولر ہوگی اور یا تھیوکریسی ہوگی۔ اقامتِ دین کی امید بہت ہی کم ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

نظریۂ پاکستان سے آگہی

(محترم ڈاکٹر انعام الحق صاحب نے بطور رُکن ''نظریہ پاکستان کونسل ٹرسٹ'' کے ایک اجلاس کے لئے درج ذیل تقریر تیار کی تھی جسے مِن وعَن بلاتبصرہ قارئین طلوع اسلام کے استفادہ کے لئے پیش کیا جارہا ہے)

آغاز ہی میں، مَیں جناب چیئرمین نظریہ پاکستان کونسل ٹرسٹ زاہد ملک صاحب آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ آپ نے نظریہ پاکستان سے آگہی اور ابلاغ کے لئے ایک متفقہ مئوقف تیار کرنے میں ہمیں مشاورت کے قابل سمجھ کر اظہارِ خیال کا موقعہ دیا۔ یہ امر بھی قابل تحسین ہے کہ آپ اس موقعہ پر مشاورت کی گفتگو کو Minutes کی شکل میں تحریر کرکے اراکین میں تقسیم بھی کر رہے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ مشاورت کے اس عمل سے آپ سب اراکین کی تجاویز کو اکٹھا کرکے تفصیلی غوروفکر کے لئے دوبارہ کونسل کے اجلاس میں پیش کرانے کا بندوبست بھی کریں گے تاکہ ایک متفقہ لائحہ عمل اور مئوقف تیار کیا جائے اور اُسے کونسل کے منشور کا حصہ بنایا جاسکے۔ اس مشاورتی عمل کی ابتداء کونسل کی پچھلی میٹنگ سے ہوگئی ہے۔ جس میں محترم ڈاکٹر نعیم غنی نے اپنی گفتگو میں نظریہ پاکستان پر ہر جہت اور سمت پر روشنی ڈالی ہے۔ میں آج اگر اُن ہی کی گفتگو کو آگے بڑھا سکا، تو یہ میری خوش نصیبی ہوگی۔

(1) تخلیقِ پاکستان کے بعد توجہات کا مرکز نظریہ پاکستان:

محترم ڈاکٹر نعیم غنی نے گفتگو کے آغاز ہی میں فرمایا کہ پاکستان بن چکا ہے اور اب ہمارے سامنے سوچ بچار کے لئے اُس کا دوسرا مرحلہ یعنی پاکستان کا مقصد یا نظریہ ہونا چاہیے۔ اُن کی اس بات نے اُس نعرہ کی جو ہم نے قیامِ پاکستان سے قبل سُنا اور دُہرایا کرتے تھے، یاد تازہ کردی کہ

پاکستان کا مطلب کیا

لا الہ الا اللہ

لا الہ الا اللہ کا مطلب ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو اقتدار حاصل نہیں، اور اقتدار یعنی Sovereignty صرف قوانین الٰہیہ کو حاصل ہے۔ کلمہ کی پہلی شق لا الہٰ کو تو ہم نے غیر اللہ یعنی انگریز کے اقتدار سے آزادی کی صورت

میں مملکتِ پاکستان حاصل کر لی ہے۔ اب ہمارے سامنے کلمہ کی دوسری شِق الا اللہ ہے جس میں اپنی مملکت نے خدا کے اقتدار کو قوانین الٰہیہ کے نفاذ کا مرحلہ طے کرانا ہے۔ یہی نظریہ پاکستان ہے اور محترم ڈاکٹر نعیم غنی نے بجا فرمایا ہے کہ اِسی کو ہمیں اور خصوصی طور پر نظریہ پاکستان کونسل کو اپنی توجہات کا محور بنانا ہوگا۔

(2) مطالبہ پاکستان کی بنیاد دوقومی نظریہ:

ہم نے دیکھا ہے کہ مطالبہ پاکستان کا دعویٰ دو قومی نظریہ کی بنیاد پر کیا جاتا تھا۔نظریہ پاکستان کے حامی دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ غیر مسلم حکومت سے آزادی چاہتے ہیں تا کہ وہ اپنی اسلامی مملکت میں اپنے نظریہ کے مطابق زندگی گزاریں۔ اپنے دعویٰ کے حق میں وہ قرآن سے بھی تائیدلاتے تھے جوسورۃ حج میں ہے کہ:

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ آتَوُا لزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ (سورہ حج 22:41)۔

ترجمہ: وہ جن کو اگر ہم زمین میں تمکنت عطا کریں گے تو وہ اقامتِ الصلوۃ اور ایتائے زکوہ کا فریضہ ادا کریں گے اور نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔

یہ آیت شرطیہ فقرے سے شروع ہوتی ہے، جسمیں اسلامی ممکت کے قیام کے لئے ایک خطہ زمین کے حصول کو ایک لازمی شرط کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ ایک اسلامی مملکت کے قیام کے لئے اُن کا یہ دعویٰ تھا کہ اسلامی طرزِ زندگی ایک غیر مسلم ریاست میں نہیں بلکہ اپنی ہی اسلامی ریاست کے اجتماعی نظام میں ممکن ہوسکتا ہے۔

انگریز کی علمبرداری میں مملکتِ ہندوستان میں دو ہی اہم قومیں بستی ہیں ،ان میں ایک ہندو اور دوسرے مسلمان۔ اسے دوقومی نظریہ کے طور پر مطالبہِ پاکستان کے حق میں بیان کیا جاتا ہے۔دوقومی نظریے میں تقسیم وطن کی بنیاد پر نہیں ہوتی بلکہ نظریہ (Idealogy) کی بناء پر قوموں کی تفریق کی جاتی ہے۔ اس تفریق کو قرآن کی اصلاح میں کفر اور ایمان کی تقسیم کہا جاتا ہے۔قرآن کا ارشاد ہے کہ:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَمِنكُم مُّؤْمِنٌ (التغابن 64:2)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پس تم میں بعض کافر اور بعض مومن ہیں۔

اس کے علاوہ اور کوئی تفریق معیار قومیت کا قرآن اور لہٰذا نظریہ پاکستان کی رو سے قابلِ قبول نہیں۔ دو قومی نظریہ کی رو سے دنیا کے تمام وہ انسان جو وحی کی رو سے متعین کردہ مستقل اقدار کو زندگی کا نصب العین قرار دیں اس کے نزدیک ایک قوم کے افراد ہیں اور وہ لوگ جو اس نصب العین کے خلاف اور نصب العین اختیار کریں، دوسری

قوم کے افراد۔

اس دعوے کی مخالفت میں مکتبِ مُلّا اور سیکولر ذہن کے حامل افراد مذہب کو خدا اور بندے کے درمیان ایک پرائیویٹ تعلق اور داخلی تجربہ کا نام دیتے ہیں انہوں نے سیاست کو دین سے الگ کر کے مملکت میں پبلک لاز الگ اور پرسنل لاز الگ کر دیئے ہیں۔ قرآنِ کریم اسلام کی مستقل اور کامل کتاب ہے، جس میں اللہ نے اپنے دین کو مکمل کر دیا ہے اور جس کی حفاظت ہمیشہ کے لئے اپنے ذمہ لی ہے۔ یہی کتاب عہد رسالت و خلافت راشدہ میں ملتِ اسلامیہ کا دستور العمل رہی، لیکن جب بنی اُمیہ کا زمانہ آیا وہ حکومت الٰہیہ جو رسول اللہ ﷺ نے قائم کی تھی، انسانی حکومت میں تبدیل ہوگئی۔ اُس وقت سے سیاست اور دین دو الگ الگ چیزیں ہوگئیں۔ پبلک لاز یعنی سیاست کا مرکز تو یہی خلفاء رہے اور پرسنل لاز یعنی دین لا مرکزی کی صورت میں مکتبِ ملا کے ہاتھ آ گئے۔ مرکز نہ ہونے کی وجہ سے مکتبِ مُلّا کے اجتہادات اور استنباطات میں اختلافات کا ہونا لازمی تھا۔ اسلئے اس کے حل میں قابلِ قبول ہونے کے لئے اُنہوں نے رسول اللہؐ کی ذات مرکز بنالی اور ہر مسئلہ اور ہر اجتہاد کے لئے روایت کے سلسلے میں احادیث کو نکالا گیا۔ اسلام کا یہی نقشہ اِن حضرات کے نزدیک عین مطابقت سنت ہے اور اس کے لئے ایک علیحدہ ریاست کا مطالبہ اُن کے نزدیک کوئی جواز نہیں رکھتا۔ اسی ذہنیت کو مخاطب کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ:

ملا کو جو ہے ہند میں سجدہ کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

(3) دستور پاکستان میں بیان کردہ نظریہ پاکستان کا مفہوم:

یہ امر ہمارے لئے باعث اطمینان ہے کہ محترم ڈاکٹر نعیم غنی نے نظریہ پاکستان کی دستور میں دی گئی حتمی اور قطعی فیصلے کی تائید و توثیق کی ہے کہ حاکمیت اعلیٰ رب کریم کی ہے اور حکومت جو بھی ہو، وہ حاکمانہ اقتدار کو اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود کے اندر استعمال کرے گی۔

To put in the words of Constitution under Preamble, it is stated there in "where as sovereignty of the entire universe belongs to almighty Allah alone, and the authority to be exercised by the people of the Pakistan within the limits prescribed by Him is a sacred trust"

دستور میں دی گئی اس وضاحت سے نظریہِ پاکستان کا مفہوم

یوں سامنے لایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ حدود متعین کر دی ہیں اور انسانوں سے کہہ دیا ہے کہ وہ اپنے اختیارات جس طرح جی چاہے استعمال نہیں کر سکتے بلکہ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے اختیارات کا استعمال ان حدود کے اندر کریں۔ یہ حدود انسانی عقل کے تراشیدہ نہیں ہیں اور نہ ہی انسانی عقل ان کو متعین کر سکتی تھی۔ یہ وحی کے ذریعہ خدا کی طرف سے متعین کردہ حدود ہیں' جو قرآنِ کریم کے اندر واضح طور پر مکتوب و محفوظ ہیں۔ یہ حدود ناقابلِ تغیّر و تبدل ہیں۔

دنیا میں جو قوم اپنے اختیارات کو ان حدود و قیود کے ماتحت استعمال کرتی ہے' وہ اسلامی مملکت کی علمبردار کہلاتی ہے۔ جو جماعت اپنے اختیارات کو ان حدود و قیود کے مطابق استعمال نہیں کرتی بلکہ اپنی مصلحت کوشیوں کے ماتحت صرف کرتی ہے وہ غیر اسلامی کہلاتی ہے۔ یہی فیصلہ نظریہ پاکستان جو (نظریہ اسلام) کا ہے۔

اس فیصلے کی توثیق سے اُنہوں نے اُن اصحاب کا مئوقف رد کر دیا جو مذہب کو سیاست سے الگ کر کے اور اسے خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ اور داخلی تجربہ کا نام دیتے ہوئے ابھی تک نظریہ پاکستان کے مئوقف میں بدگمانیاں پیدا کر رہے ہیں۔

(4) دستور کی شق قانون سازی میں قرآن وسُنت کا مشکل مرحلہ:

محترم ڈاکٹر نعیم غنی نے اپنے خطاب میں ایک نہایت ہی اہم اور بنیادی امر کی طرف بھی ہماری توجہ دلائی ہے کہ دستور پاکستان میں واضح کیا گیا ہے کہ پاکستان میں قانون' قرآن وسُنت کے مطابق بنائے جائیں گے۔ مشکل مرحلہ یہ ہے کہ قرآن وسُنت کی تشریح کون کرے گا؟

To put in the words of constitutions under preamble, it is stated there in "where in the Muslims shall be enabled to order their lives in the individual and collective spheres in accordance with the teaching and requirments of Islam as set out with the Holey Quran and Sunnah"

میرے خیال میں تو اس کا سادہ جواب یہ ہونا چاہیئے کہ نمائندگانِ ملت ہی نے دستور میں قرآن وسُنت کو قانون سازی کے بنیادی ماخذ کی منظوری دی تھی' لہٰذا اُس کی تشریح یا پھر اس کے نفاذ کی ذمہ داری کا قانونی حق بھی اُسی ادارہ کو حاصل ہونا چاہیے۔ اگر ایسا ہو جاتا' تو شاید اِس ضمن میں جو بھی مشکل مرحلہ سامنے آتا' اُس کا حل بتدریج قانونی انداز میں حاصل ہو جاتا۔

ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ عملی طور پر اس کی تشریح کی اجارہ داری مکتبِ ملا نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے اور نمائندگان ملت اپنی نااہلیت کی بنا پر اس معاملے میں مکتبِ مُلّا کے فتووں کے محتاج اور اُن کے آگے یرغمال بنے بیٹھے ہیں۔

مکتبِ مُلّا کے نزدیک سُنت سے مراد احادیث/ روایات ہے اور اس حقیقت سے ہر شخص واقف ہے کہ روایات کے متعدد مجموعے ہیں۔ ہر مجموعے میں خود مکتبِ مُلّا کے نزدیک صحیح اور ضعیف ہر قسم کی روایات موجود ہیں۔ لہٰذا مشکل مرحلہ یہ ہے کہ جب آپ کہتے ہیں کہ دستور کی بنیاد سُنت بمعنی روایات پر ہوگی۔ اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جاسکے گا' جو روایات کے خلاف ہو' تو اس سے آپ کی مُراد احادیث کا کونسا مجموعہ یا اس مجموعے کی کونسی روایات ہیں۔ آپ کہہ دیں گے کہ اس سے مُراد صحیح احادیث ہیں۔ لیکن پھر یہ سوال سامنے آئے گا کہ اس کا فیصلہ کون کرے کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی روایت ضعیف۔

شیعہ اور سُنی دونوں فرقوں کے نمائندوں نے یہ متفقہ فیصلہ کیا ہے کہ مُلک کا قانون قرآن اور سُنت کے مطابق بنے۔ سُنت کی تشریح و تفصیل اِن دونوں فرقوں کے نمائندوں کے نزدیک بالکل مختلف ہے۔ سُنیوں کے نزدیک جس حدیث کے راویوں میں کوئی راوی شیعہ ہو یا شبہ کیا جاتا ہو کہ وہ شیعہ ہے' وہ حدیث قابلِ قبول نہیں سمجھی جاتی۔ اس کے برعکس شیعہ حضرات کے نزدیک کسی غیر شیعہ کی روایت سچی ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا یہ بات قطعاً سمجھ میں نہیں آسکی کہ کون سا دستور ہوگا' جو حدیث کے مطابق بھی ہوگا اور دونوں فرقوں کے نزدیک متفق علیہ بھی۔

اللہ تو واحد ہے اور اپنے حکم میں کسی کو شریک بھی نہیں کرتا، قوم میں تفرقہ کو ویسے ہی قرآن شرک قرار دیتا ہے۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ٥مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوا دِيْنَهُمْ وَكَانُوا شِيَعاً كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُون (الروم 30/31:30)۔

ترجمہ: (مسلمانو) دیکھنا (تم ایمان لانے کے بعد پھر) مشرکوں میں سے نہ ہوجانا یعنی اُن لوگوں میں سے نہ ہوجانا جنہوں نے دین میں فرقے پیدا کئے اور خود بھی ایک گروہ بن بیٹھے پھر حالت یہ ہوگئی کہ ہر گروہ اپنے اپنے طریقے میں مگن ہے۔

اس لئے نبی اکرم ﷺ سے یہ بات منسوب کرنا کہ میری اُمت میں 72 فرقے ہونگے اور باعث رحمت ہوں گے۔ باعث رحمت تو کُجا قرآن میں ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُواْ دِيْنَهُمْ وَكَانُواْ شِيَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ (الانعام 6:160)

ترجمہ: اے رسول! جن لوگوں نے اپنے دین میں

فرقے پیدا کر لئے اور گروہ بن بیٹھے' تیرا اِن سے کوئی تعلق نہیں۔

اس سے واضح ہے کہ آپ احادیث کی روح سے کوئی ایسا دستور بنا ہی نہیں سکتے' جو سب کے نزدیک متفق علیہ ہو۔ اگر رسول اللہ ﷺ قرآن کے ساتھ اپنی احادیث کا کوئی مجموعہ بھی مُرتّب فرما کر دے جاتے تو ہم یہ کہہ سکتے تھے کہ سُنت سے مُراد وہ احادیث نبویؐ ہیں جو اس مجموعہ کے اندر شامل ہیں۔

قرآن تو موجود کتابی شکل میں اُمت میں متفقہ طور پر مستند کلامِ الٰہی کے طور پر موجود ہے۔ اس لئے اُس کی تشریح میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ سُنت میں البتہ یہ چیز نہیں۔ ہمارے ہاں قرآن اور سُنت یا قرآن اور حدیث کے الفاظ اس انداز سے استعمال کئے جاتے ہیں جس سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں غیر متبدل ہیں اور جس طرح قرآن کے کسی حکم میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی' اسی طرح حدیث میں جو کچھ لکھا ہے اِن میں بھی کسی قسم کا تغیر تبدل نہیں کیا جا سکتا۔

(5) قرآن وسُنت کی تشریح کے مشکل مرحلے کا حل:

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اُمت کو قرآن کے ساتھ کوئی احادیث کا مجموعہ نہیں دیا اس سے بھی صاف واضح ہے کہ وہ اُمت کے دستور کے لئے قرآن ہی کو کافی سمجھتے تھے۔ یہی صحابہؓ نے بھی کیا تھا جب حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ **حسبنا کتاب اللہ** یعنی ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔

لہٰذا آج سُنت رسول اللہ ﷺ سے مُراد یہی ہوگی کہ قرآن کے مطابق دستور مُرتّب کیا جائے کہ حضور ﷺ نے اپنا دستور قرآن ہی کے مطابق مُرتّب فرمایا تھا اور یہی رسول اللہ ﷺ کی سُنت ہے۔

میرے نزدیک اس مشکل مرحلے کا یہی حل اُن کے مئوقف میں بھی پایا جاتا ہے' جنہوں نے ملت کو نظریہ پاکستان دیا۔ لہٰذا یہاں سرسید احمد خان' علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کا مئوقف پیش کیا جاتا ہے۔ جنہیں بالترتیب پاکستان کا معمار اوّل' مصورِ پاکستان اور بانیء پاکستان خیال کیا جاتا ہے۔

سرسید احمد خان نے اِس مشکل کا حل قانون سازی میں قرآن ہی کی حیثیت کو مستند خیال کرنے میں اپنا واضح مئوقف بیان کیا کہ:

> ''میرے نزدیک نہ کوئی کتاب خدا کی کتاب کے سوا غلطی سے پاک ہے'' خواہ کیسی ہی اصح الکتب نہ سمجھی گئی ہو۔ ایسی کتب میں دیئے گئے اقوال کو اقوال رسول ﷺ کا درجہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ منسوب علی الرسول ہی کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔''

وہ مزید فرماتے ہیں کہ ہم کو ضرور ہے صرف

الفاظِ قرآن مجید کے پابند رہیں۔

اُنہوں نے قوم سے مخاطب ہوکر اعلان کیا جو چیز چاہے کر کے دیکھ لو، جب تک تم پھر سے اُس کتاب عظیم (قرآن) کو اپنا راہنمائے حیات نہیں بناتے، زمانے میں اپنا مقام نہیں پا سکو گے۔

نظریہ پاکستان کی ایک اور مستند اتھارٹی علامہ اقبالؒ نے بھی اس کا اظہار کرتے ہوئے مکتبِ مُلّا کی سوچ پر گہری تنقید بھی کی ہے۔ وہ شاہ ولی اللہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

''پیغمبرانہ طریقِ تعلیم یہ ہوتا ہے کہ رسول کے احکام ان لوگوں کے عادات واطوار اور رسوم ورواج کو خاص طور پر ملحوظ رکھتے ہیں، جو اُن کے اولین مخاطب ہوتے ہیں۔۔۔۔

اور چونکہ اِن احکام کی ادائیگی بجائے خویش مقصود بالذات نہیں ہوتی، انہیں آنے والی نسلوں پر من وعن نافذ نہیں کیا جا سکتا۔۔۔۔ غالبًا یہ وجہ تھی کہ امام ابوحنیفہ نے استحسان کا اصول وضع کیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ قانون وضع کرتے وقت اپنے زمانے کے تقاضوں کو سامنے رکھنا چاہیے''۔

علامہ اقبالؒ ذرا آگے چل کر مزید وضاحت کرتے ہیں کہ:

''اِن حالات کی روشنی میں، میں بھی یہ سمجھتا ہوں کہ ان احادیث کے متعلق کہ جن کی حیثیت قانونی ہے، امام ابوحنیفہ کا یہ طرزِ عمل بالکل معقول اور مناسب تھا اور اگر آج کوئی وسیع النظر مقنن یہ کہتا ہے کہ احادیث ہمارے لئے من وعن شریعت کے احکام نہیں بن سکتی تو اس کا یہ طرزِ عمل امام ابوحنیفہ کے طرزِ عمل کے ہم آہنگ ہوگا جن کا شمار اسلامی فقہ کے بلندترین مقننین میں ہوتا ہے''۔

اب میں علامہ اقبالؒ کے حل کا ذکر بھی کر دوں، جو محترم ڈاکٹر نعیم غنی نے قرآن اور سُنت کی عملی شکل کے نفاذ میں مشکل مرحلہ محسوس کیا ہے۔ وہ خطبات ہی میں اعلان کرتے ہیں کہ:

''مسلمانوں کو موجودہ اُلجھاؤ سے نکالنے کے لئے ایک ایسے جرأت مند قلب کی ضرورت ہے جو عمرؓ کی روح کو لئے اُٹھے اور اس کا اعلان کر دے کہ

حسبنا کتاب اللہ. ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے۔

اس بات کی تائید قرآن سے بھی ہوتی ہے کہ

قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا (العنکبوت 29:52)

ترجمہ: کہو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے۔

انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں کہا کہ:

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

اس کے ساتھ ہی اُنہوں نے اپنے ہی مخصوص انداز میں مکتبِ مُلاّ کی قرآن سے راہنمائی کے حصول کو اسی طرح ناممکن قرار دیا' جس طرح کہ مادرزاد اندھا سورج کی روشنی کو دیکھنے میں معذور ہوتا ہے۔

مکتبِ مُلاّ و اسرارِ کتاب
کُور زمادر زاد و نورِ آفتاب

آخر میں قائداعظمؒ نے اِس مشکل کے حل میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن کے طلباء کے ایک سوال کے جواب میں دوٹوک اعلان کیا کہ:

''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ اِس میں اطاعت اور وفاکشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی' نہ کسی اور شخص یا ادارے کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کر سکتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے''۔

اسی لیے قائداعظمؒ کے تحریک کے زمانے کے خطابات میں ایک حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اُنہوں نے ہر جگہ اور ہر موقعہ پر قرآن کریم اور صرف قرآن کریم سے راہنمائی حاصل کرنے پر زور دیا۔

(6) مُطلق اقدار خداوندی بطور منشورِ بنیادی حقوقِ انسانیت:

محترم ڈاکٹر نعیم غنی نے اپنے خطاب میں Values یعنی مستقل اقدار کا ذکر کر کے اُن کے متعلق یہ سوال بھی کیا کہ اُن کی تلاش کہاں سے اور کیسے کی جائے؟ یہ سوال البتہ Minutes میں تحریر ہونے سے رہ گیا ہے' اس لئے وضاحت طلب ہے۔ اب اگر انہوں نے قرآن وسُنت کی تشریح کے مشکل مرحلہ کے حوالے سے یہ سوال اُٹھایا ہے تو اُس کا جواب ہم نے تلاش کر کے بیان کر دیا ہے۔ بے شک وہ سب قرآن کریم ہی کی دفتین میں محفوظ ہیں۔ اس کا عملی مظاہرہ کرنے کے لئے میں نے قرآن کریم ہی سے چند اقدار کا انتخاب کرتے ہوئے مختصر طور پر قرآنی معاشرہ کا ایک خاکہ تیار کیا ہے۔ ان اقدار کے متعلق یہ وضاحت ضروری ہے کہ:

(الف) اقدار خدا کی طرف سے بطور ہدایت ملی ہیں۔ قرآن میں ہے کہ:

وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی (الا علٰے 87:3)

ترجمہ: (اور خدا نے اقدار دیں اور اُسی نے ہدایت دی)۔

(ب) اقدار مکمل اور غیر متبدل ہے اِن میں تبدیلی نہیں ہوتی قرآن میں ہے کہ:

وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقاً وَّعَدْلاً لَّا مُبَدِّلِ لِکَلِمَاتِه (الانعام 6:116)

ترجمہ: (قرآن تمام صداقتوں اور عدل کو اپنے اندر لیے ہوئے مکمل ہو چکا ہے اب خدا کے کلمات میں کوئی تغیر و تبدل کرنے والا نہیں)

(ج) اللہ نے ہی قرآن میں اقدار خداوندی کو محفوظ رکھا ہے اس لئے وہ ابدی طور پر لاگو ہوں گی۔ قرآن میں ہے کہ:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُون (الحجر 15:9)

ترجمہ: الذکر (قرآن) کو (ہم نے نازل کیا ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی ہمارا ہے)

(1) (الف) قرآنی معاشرہ میں ہر شخص کی عزت بلا تمیز قوم، رنگ، نسل، پیشہ اور جنس محض اس کے انسان ہونے کی جہت سے ہوگی۔ قرآن میں ہے کہ:

وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡٓ آدَمَ (بنی السرائیل 17:70)

ترجمہ: (ہم نے تمام فرزندانِ آدم کو واجب التکریم بنایا ہے)

(ب) برتری کا معیار یہ ہوگا کہ کوئی شخص اپنے فرائض کی بجا آوری میں کس قدر محنت اور دیانت سے کام لیتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ:

اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقَاکُمۡ (الحجرات 49:13)

ترجمہ: (میزانِ خداوندی کی رُو سے عزت و تکریم کا صرف ایک معیار یعنی درجہ ہے اور وہ یہ کہ تم میں سے کس کی زندگی قوانین خداوندی سے زیادہ مطابق ہے)

(ج) اور نوع انسان کو فائدہ پہنچانے میں کیا کرتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ:

وَاَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡض (الرعد 13:17)

ترجمہ: جو کچھ نوع انسان کے لئے نفع بخش ہوتا ہے وہ باقی رہتا ہے۔

(2) (الف) عدل و احسان کا نظام ہوگا اور ہر فرد کو امن کی ضمانت حاصل ہوگی۔ قرآن میں ہے کہ:

لَا تَظۡلِمُونَ وَلَا تُظۡلَمُونَ (البقرہ 2:279)

ترجمہ: (نہ تم کوئی ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے)

جہاں ظلم نہ ہو بلکہ عدل ہو وہاں امن ہوگا'

(ب) قرآن میں ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ (النحل 16:90)

ترجمہ: (بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے)۔

عدل یہ ہوگا کہ سب کے لئے یکساں مواقع باہم پہنچائے جائیں اور احسان یہ کہ جہاں کسی فرد میں کوئی کمی رہ

جائے اس کمی کو پورا کیا جائے۔

(ج) عدل کا تقاضا ہے کہ ہر شخص اپنی ذمہ داری خود اُٹھائے یہ نہیں کہ ذمہ داری کسی کی ہو اور اسے پورا کرتے پھرے کوئی اور۔ قرآن میں ہے کہ:

وَلَا تَزِرُوَ ازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرَى

(الانعام 6:165)

ترجمہ: (کہ بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا)

(3) (الف) قرآنی معاشرہ ہر شخص کی اور اُس کی ضروریات زندگی بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہوگا۔ قرآن میں ہے کہ:

وَلَا تَقْتُلُوا اَوْلَادَكُم مِّنْ اِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (6:151)

ترجمہ: اپنی اولاد کو اِس خدشہ سے کہ اُن پر خرچ کرنے سے تم غریب ہو جاؤ گے، صحیح تعلیم و تربیت سے محروم نہ رکھو (یعنی قتل نہ کرو) ہم (اپنے نظام کے ذریعے) اس بات کی ذمہ داری لیتے ہیں کہ تمہاری اور تمہاری اولاد کے لئے سامان زیست مہیا کریں گے۔

حضرت عمرؓ کے الفاظ میں اگر کہیں کتا بھی بھوک اور پیاس سے مارا گیا تو امیر المومنین اُس کا ذمہ دار ہوگا۔

(ب) جو نظام اتنی بڑی ذمہ داری اپنے اُوپر لے یہ ضروری ہے کہ ذرائع رزق اُس کی تحویل اور نگہداشت میں رہیں۔ جنہیں تمام انسانوں کے فائدہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ قرآن میں ہے کہ:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُم مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرہ 2:29)

ترجمہ: (ہم نے ہی کائنات میں تمام چیزوں کو تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا) جو چیز بھی سب کے فائدے کے لئے ہو، تو سمجھ لینا چاہیے کہ اُسے کسی خاص فرد یا گروہ کی ملکیت میں محدود نہیں رہنا چاہیے۔

(4) معاشرہ کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ ہر شخص کی تعلیم و تربیت کا پورا پورا انتظام کرے اور اس طرح ہر فرد کی مضمر صلاحیتوں کے پورے پورے نشو و نما پانے کے لئے یکساں مواقع مہیا کرے۔ رزق میں وہ سب شامل ہوتا ہے، جس سے کسی کی نشو و نما ہو سکے۔ قرآن میں ہے کہ:

وَلَا تَقْتُلُوا اَوْلَادَكُم مِّنْ اِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (6:151)

ترجمہ: اپنی اولاد کو اِس خدشہ سے کہ اُن پر خرچ کرنے سے تم غریب ہو جاؤ گے، صحیح تعلیم و تربیت سے محروم نہ رکھو (یعنی قتل نہ کرو) ہم (اپنے نظام کے ذریعے) اس بات کی ذمہ داری لیتے ہیں کہ تمہاری اور تمہاری اولاد کے لئے سامان زیست

مہیا کریں گے۔

(5) قرآنی معاشرہ میں ہر شخص اپنی پوری استعداد ومحنت سے کام کرے گا اور اپنی محنت کے ماحصل میں سے اپنے لئے صرف اتنا رکھے گا' جس سے اُس کی مناسب ضروریات پوری ہوں۔ باقی کو اسلامی مملکت کے طلب کرنے پر اپنے دِل کی رضامندی سے اُس کو دے دے گا۔قرآن میں ہے کہ:

وَيَسْـأَلُونَكَ مَـاذَا يُـنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ 2:219)

ترجمہ: اور وہ پوچھتے ہیں کہ دوسروں کے لئے کتنا (فی سبیل اللہ) خرچ کیا جائے' اُن سے کہہ دو اُتنا ہی جتنا تمہاری ضروریات سے زیادہ ہے۔

(6) (الف) قرآنی معاشرہ میں خدا کے ''قانونِ مکافاتِ عمل'' کا یقینی نفاذ ہوگا۔اس قانون کی رو سے کسی کام کرنے والے خواہ وہ مرد ہو یا عورت کا' کام ضائع نہیں جاتا۔قرآن میں ہے کہ

أَنِّـىْ لاَ أُضِيـعُ عَـمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى (العمران 3:195)

ترجمہ: تم میں جو بھی ہمارے قانون کے مطابق کام کرے گا' وہ مرد ہو یا عورت' اِس کی محنت کبھی رائیگاں نہیں جائے گی۔

(ب) اس لئے کسی کے اجر میں ذرا کمی نہیں کی جاتی اور نہ ہی ایسا ہوتا کہ کسی کو یونہی بلا سعی وعمل بخش دیا جائے۔قرآن میں ہے کہ:

لِيَجْزِىَ الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْط (یونس 10:4)

ترجمہ: اُنہیں جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں انصاف کے ساتھ جزا دی جائے گی۔اور اُنکی محنت میں ذرا بھر بھی کمی نہ کی جائے گی۔

(ج) قانون سے کوئی بالا نہیں ہوگا۔اس میں تو رسول اللہؐ سے بھی اللہ نے اعلان کروایا ہے کہ:

إِنِّـىْ أَخَـافُ إِنْ عَـصَـيْـتُ رَبِّىْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْم (یونس 10:15)

ترجمہ: اگر میں خود بھی خدا کی خلاف ورزی کروں' تو مجھے بھی خدا کا عذاب پکڑے گا اور میں اِس کی گرفت سے بہت ڈرتا ہوں۔

(7) ہر شخص کو اپنا مافی الضمیر کہنے کی مکمل آزادی ہوگی جس سے کسی کو نقصان نہ ہو۔قرآن میں ہے کہ:

لاَ اِكْرَاهَ فِىْ الدِّيْنِ (البقرہ 2:256)

ترجمہ: دین میں کوئی جبر نہیں

(8) افرادِ ملت اپنی جان اور مال کو اُمت کی مشترکہ ملکیت تصور کریں گے اور اپنے آپ کو اُن کا امین۔ ملت کو اسلامی اور جنتی معاشرہ کے قیام کے لئے ضرورت پڑنے پر' وہ اِن امانات میں سے جس امانت کی ملت کو ضرورت ہوگی'

ملت کے سپرد کر دیں گے۔قرآن میں ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ 9:114)

ترجمہ: اوراللہ نے (اسلامی ریاست کے ذریعے) مومنین کی جان اور مال بعوض جنت کے خرید لی ہیں۔

یہ ایک باقاعدہ معاہدہ کی شکل اختیار کرتا ہے' جس میں خریدنے والا اللہ تعالیٰ مملکتِ اسلامی کی محسوس شکل میں خریدار ہوتا ہے اور مومنین فروخت کرنے والے۔ اس میں خریدنے کی چیز مومنین کی جان اور مال ہوتا ہے جو عند الطلب پیش کیا جاتا ہے اور اس کے بدلے میں اُنہیں جنتی معاشرہ مہیا کیا جاتا ہے۔

(9) اس میں خدا اور بندے کے درمیان کوئی طاقت حائل نہیں ہوگی اور اطاعت صرف اور صرف قانون الٰہیہ کو حاصل ہوگی۔ لہٰذا اس میں کوئی فرد کسی دوسرے فرد کا غلام نہیں۔قرآن میں ہے۔

وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا (الکہف 18:26)

ترجمہ: اور خدا اپنے حکم (حکومت) میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

(10) معاشرہ کے باہمی امور باہم مشورے سے طے پائیں گے۔قرآن میں ہے کہ:

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (الشوریٰ 42:38)

ترجمہ: مومنین کے (نظام خداوندی کے معاملات میں) تمام فیصلے باہمی مشاورت سے ہوتے ہیں۔

(11) امور مملکت کی سپردگی صرف اُنہی کے سپرد کی جائے گی' جو اس کی حفاظت کے اہل ہوں گے۔قرآن میں ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (النساء 4:58)

ترجمہ: (نظام خداوندی میں ذمہ داریاں انہی کے سپرد کی جاتی ہیں' جو اُن سے عہدہ بر ہونے کے لئے اچھی طرح سے اہل ہوں)

(12) قرآن انسان کے انفرادی حُسن ذوق کا احترام کرتا ہے۔ اس میں کسی کو اجازت نہیں ہوگی کہ وہ کسی کو اِس حق سے محروم کردے۔قرآن میں ہے کہ:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف 7:32)

ترجمہ: اے رسول! وہ کون ہے جس نے زیب وزینت اور کھانے پینے کی چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے۔

(13) غیر مسلموں سے یکساں برتاؤ کیا جائے گا اور اُن کے عبادت خانوں کو محفوظ بنایا جائے گا۔قرآن میں ہے کہ:

وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُم بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذۡكَرُ فِيهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيرًا (الحج 22:40)

ترجمہ: اگر اللہ اس کا انتظام نہ کرتا کہ ایک گروہ کی روک تھام دوسرے گروہوں کے ذریعے ہو سکے کسی قوم کی عبادت گاہ تک دُنیا میں محفوظ نہ رہتی۔ خانقاہیں، گرجے، یہودیوں کے معابد، مساجد جن میں خدا کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے۔

(14) عصمت کی حفاظت کی جاتی ہے۔قرآن میں ہے کہ:

وَلۡيَسۡتَعۡفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا (النور 24:33)

ترجمہ: جن لوگوں کے لئے رشتے کا انتظام نہ ہو سکے، اُنہیں ضبطِ خویش سے اپنی عصمت کو محفوظ رکھنا چاہیے۔

(15) انسانیت کی کشاد کے نیک کاموں میں تعاون کیا جاتا ہے۔قرآن میں ہے کہ:

وَتَعَاوَنُواۡ عَلَى الۡبِرِّ وَالتَّقۡوَى وَلاَ تَعَاوَنُواۡ عَلَى الإِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ (المائدہ 5:2)

ترجمہ: تمام امور جو (انسانیت کے) کشاد کے ہوں اُن میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔ جو انسانوں کو ضعف یعنی اثم اور تجاوز کا باعث بنے، اُن میں تعاون نہ کرو۔

(16) اس میں ایفائے عہد کیا جاتا ہے۔قرآن میں ہے کہ:

وَالۡمُوفُونَ بِعَهۡدِهِمۡ إِذَا عَاهَدُو (البقرہ 2:177)

ترجمہ: اپنے عہد و پیمان کا خیال اور اپنے قول و اقرار میں پکے رہو۔

(17) (الف) پورے نظام کو پورے کا پورا اختیار کیا جاتا ہے۔قرآن میں ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواۡ ادۡخُلُواۡ فِي السِّلۡمِ كَآفَّةً (البقرہ 2:208)

ترجمہ: اے جماعتِ مومنین تم نظامِ خداوندی میں اجتماعی طور پر پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

(ب) اس نظام کو نہ ادھورا چھوڑا جائے گا، نہ کسی اور نظام کے ساتھ اسے ملایا جائے گا۔قرآن میں ہے کہ:

أَفَتُؤۡمِنُونَ بِبَعۡضِ الۡكِتَابِ وَتَكۡفُرُونَ بِبَعۡض (البقرہ 2:85)

ترجمہ: کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے اور بعض سے تکفیر کرتے ہو؟

(18) قرآنی معاشرے میں افراد علیٰ حدِ بشریت اپنے

اندر اسمائے الٰہی (صفات خداوندی) کو پورے اعتدال اور توازن کے ساتھ منعکس کرتے جائیں گے۔ یہی صفات خداوندی قرآنی معاشرے کے افراد کے لئے خیرِ مطلق کا معیار بھی ثابت ہوں گی۔ قرآن میں ہے کہ:

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ

(الاعراف 17:180)

ترجمہ: اور تم خدا کے اسمائے حُسنہ کو توازن کے ساتھ پکارتے رہو اور حدود سے تجاوز نہ کرو اور اس طرح اُس کے قریب تر علیٰ حدِ بشریت ہوتے جاؤ۔

یہ سمجھ لیں کہ یہ نمایاں خطوط ہیں نظریہ پاکستان کے جس کی بناء پر اسلامی مملکت قائم ہوتی ہے' جو مملکت اس نظریہ پر قائم نہ ہو' وہ اسلامی نہیں کہلا سکتی۔

یہ مختصر سا خاکہ پیش کرنے کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ قرآنی معاشرہ ایک خیالی خیال Utopia ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی نافذ کیا جا سکتا ہے۔

(7) اقتدارِ خداوندی کے عملی نفاذ کا طریق:

محترم ڈاکٹر نعیم غنی کے مشکل مرحلہ کے حل کا جواب تو ہم نے درج بالا مؤقف سے شاید سمجھ لیا ہو' لیکن جب تک اِس کے عملی اطلاق کا تسلی بخش جواب حاصل نہیں ہوتا' تب تک تشنگی شاید باقی رہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قائد اعظم کے مؤقف ہی میں اس کے عملی طریق کار کی نشاندہی ہوگئی ہے' جو درج ذیل اقدامات ہی سے ممکن العمل ہو سکتا ہے۔

(1) ایک آزاد مملکت اِس امر کا اعلان کرے کہ اِس کا تمام کاروبار قرآن کے مطابق ہوگا۔

(2) قرآن کریم میں کچھ احکام وقوانین متعین شکل میں دیئے گئے ہیں اور بعض اقدار اصول کے طور پر بیان ہوئی ہیں یہ سب غیر متبدل اور تمام مسلمانوں پر ہمیشہ کے لئے نافذ العمل رہنے کے لئے دی گئی ہیں۔

(3) جن اقدار کے صرف اصول دیئے گئے ہیں' مملکت کے اربابِ فکر ونظر' نمائندگانِ ملت اُن اصولوں کی روشنی میں' اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق' اُن کے جزئی قوانین مرتب کریں گے، جو کچھ پیچھے چلا آ رہا ہے' ان میں جو قوانین قرآنی اصولوں کے مطابق اور ہمارے زمانے کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں' انہیں ایسے ہی رہنے دیا جائے گا۔ جس میں تبدیلی کی ضرورت ہوگی' اُن میں تبدیلی کر لی جائے گی' جہاں نئے قانون کی ضرورت ہو' نیا قانون بنا لیا جائے گا۔ اس طرح قرآن کے اصول غیر متبدل رہیں گے اور ان کے اندر وضع کردہ قوانین زمانے کی ضرورتوں کے ساتھ بدلتے جائیں گے۔

(8) نظام کی کی ابتداء قلب ونگاہ کی تبدیلی سے:

قرآنی معاشرے کے نظام کے متعلق یہ وضاحت

بھی ضروری ہے۔ایک چیز تو ہوگی اس نظام کی وہ آخری اور مکمل شکل، جس میں یہ نافذ ہوگا۔دوسری چیز یہ کہ ہمارے معاشرے کی آج کی حالت، اِس میں آغازِ کار کس طرح کیا جائے، جو ہمیں انجام کار رفتہ رفتہ، بتدریج اس آخری منزل تک لے جائے۔ ہم نے قرآنی معاشرے کا خاکہ مرتب کرنے میں چند اصولوں کو بیان کیا ہے، وہ اِس نظام کی انتہائی شکلیں ہیں۔یہ ہماری آخری منزل ہوگی۔

اِن اصولوں کے متعلق ہماری موجودہ حالت میں اس قسم کا احساس ہوگا۔کہ یہ تو بڑی ناممکن العمل سی چیز ہے۔لیکن موجودہ حالت میں یہ انتہائی شکل فوری نافذ نہیں ہوجائے گی۔اس کی تلقین قرآن سے بھی ہمیں ملتی ہے:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِن قَبْلِ أَن يُقْضَى إِلَيْكَ وَحْيُه (طٰہٰ 20:114)

ترجمہ:اور تو قرآن کے لینے (نافذ کرنے) میں جلدی نہ کر قبل اس کے کہ اس کی وحی تیری طرف پوری نازل نہ ہوجائے۔

یہاں رسول اکرمﷺ کو واضح ہدایت دی گئی کہ وہ قرآنی نظام کو پورے کا پورے نافذ کروانے میں جلدی نہ کریں۔اُن کو چاہئے کہ وہ پوری پوری ہدایات کا انتظار کریں۔یہ ہدایات ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں رسولﷺ کو بتدریج چالیس سال کی عمر سے لے کر اُن کی وفات تک ارسال ہوتی رہیں۔

اس وقت تو اس قسم کی شکل اختیار کی جائے، جو موجودہ معاشرے میں قابل عمل بھی ہو، اور پھر ہمیں آخری منزل تک بھی لے جائے۔ضرورت تو صرف ابتدا کرنے کی ہوتی ہے۔

قرآن کریم کے نزدیک نظام میں کوئی صحیح تبدیلی پیدا نہیں ہوسکتی، جب تک اس تبدیلی کی متمنی جماعت کے افراد کے قلب ونگاہ میں، قرآنی اقدار کے مطابق تبدیلی پیدا نہ ہو۔قرآن میں ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد 13:11)

ترجمہ: خدا بھی اُس قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ اپنی حالت خود نہ بدلے۔

قلب ونگاہ میں تبدیلی کرنے کے یہ مرحلہ بڑا غیر مرئی اور غیر محسوس ہوتا ہے۔اس میں بظاہر نہ کوئی حرکت نظر آتی ہے نہ حرارت۔اس لئے سطح بین نگاہیں اسے بے عملی سے تعبیر کردیتی ہیں۔

جب اس جماعت کے افراد میں قلب ونگاہ کی ایسی تبدیلی اور سیرت وکردار میں ایسی پختگی پیدا ہوجاتی ہے تو پھر ہی وہ اس نظام کے قیام کے لئے عملی قدم اُٹھاسکتی ہے۔اس کی مثال ہمیں خود نبی اکرمؐ اور جماعت کے مومنین کی مکی زندگی کی 13 سالہ طول الطّویل جدو جہد میں ملتی ہے۔

(9) خدائی پروگرام کا نفاذ اسلامی مملکت کے ہاتھوں:

قرآنی معاشرے کے قیام کے سلسلے میں اس اصولِ حقیقت کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے ضمن میں جن ذمہ داریوں یا وعدوں کو اپنے اوپر لیا ہے' اِن کا پورا کرنا اسلامی نظام کی ذمہ داری ہوتا ہے۔ جب وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرتا ہے تو پھر افراد معاشرہ سے اسلامی اقدار واحکام کی اطاعت کرواتا ہے۔

اس لئے اللہ کا یہ فریضہ (جیسا کہ حضرت عمرؓ کی وضاحت میں ہم دیکھ چکے ہیں) اسلامی مملکت سرانجام دیتی ہے اور اسلامی مملکت کا امیرالمومنین اُس کے لئے جواب دہ ہوتا ہے۔

رزق کی ذمہ داری کے علاوہ' حضرت عمرؓ نے تو مظلوموں کی دادرسی کے لئے بھی اسلامی مملکت کے امیر ہی کو ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے فرمایا کہ:

''اللہ نے یہ فریضہ میرے سپرد کیا ہے کہ میں تمہاری دعاؤں کو اُس تک نہ پہنچنے دوں' بلکہ اُن کو راستے ہی میں روک لوں۔ کیونکہ تمہاری فریاد میرے خلاف شکایت ہوگی' جبکہ تمہاری شکایات کی دادرسی کرنا میرے فریضے میں شامل ہے۔''

اِس فریضے کی بیّن مثال میں قرآن سے ہمیں یوں تائید حاصل ہے۔قرآن میں ہے کہ:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا (النساء 4:75)

ترجمہ: ''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جنگ کے لئے نہیں نکلتے۔تم سُن نہیں رہے کہ کمزور وناتواں مرد' عورتیں' بچے ہمیں پُکار پُکار کر کہہ رہے ہیں کہ ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لے' جس کے رہنے والے اِس قدر ظالم اور سفاک ہیں۔اور ہمارے لئے اپنی جانب سے کوئی محافظ' نگران' کوئی سرپرست اور مددگار بھیج دے۔''

خدا قادرِ مطلق ہے اُس کے لئے کیا مشکل تھا کہ وہ اِن مظلوموں کی دادرسی براہ راست کر کے' اُنہیں وہاں سے نکال لے جاتا۔لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا۔اُس نے کیا کیا۔اُس نے یہ فریضہ اُس اسلامی مملکت کے سپرد کیا' جس کی نمائندگی حضرت عمرؓ جیسے امیرالمومنین کرتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں' کارکشا و کارساز

(10) سیکولرزم اور نظریہ پاکستان:

محترم ڈاکٹر نعیم غنی نے اپنے خطاب میں سیکولرزم کی بات بھی کی ہے اور اُسے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ دیکھا جا رہا ہے کہ سیکولرزم کی اصطلاح کے مفہوم سمجھنے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اسلامی فکر کے سکالر مولانا وحید احمد خان نے نظریاتی سیکولرزم کو علیحدہ کر کے عملی سیکولرزم کی اصطلاح کا مفہوم مولانا سعید اکبر آبادی کے حوالے سے کیا ہے کہ:

''عملی سیکولرزم صرف اِس کا نام ہے کہ حکومت کا تعلق مشترک مادی امور سے ہو اور مذہبی معاملات میں وہ عدم مداخلت کی پالیسی پر کاربند رہے۔ کسی مشترک سماج میں یہی واحد قابلِ عمل طریقہ ہے اور آج کے دور میں اِس کا اسلام سے تقاضہ ہے۔''

دنیا کے تقریباً سبھی ملکوں کا نظام اسی کے مطابق چلایا جا رہا ہے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے سیکولر کی تعریف یہ کی ہے کہ جس میں تمام مذاہب آزاد ہوں اور ریاست کے ہر شخص کو یکساں شہری حقوق حاصل ہوں۔ انہوں نے ہندوستان کے حوالے سے لکھا کہ یہاں سب سے بہتر اور قابل عمل نظام صرف سیکولر نظام ہے۔

یہ ایک مجتہدانہ رائے ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سیکولرزم بجائے خود کوئی آئیڈیل نظام حکومت ہے۔ اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ مشترک سماج میں سیکولر نظام ہی قابل عمل ہوتا ہے۔ اس کی اہمیت عملی اعتبار سے ہے نہ کہ خالص نظریاتی اعتبار سے۔ اگر عملی سیکولرزم کو صرف شخصی قوانین کی آزادی تک محدود کر دیا جائے، تو یہ آزادی بشمول پاکستان سبھی ممالک میں حاصل ہے۔

اصل مسئلہ یہ نہیں بلکہ عام طور پر نظریہ سیکولرزم کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ انسانوں کی دنیا کے اندر خدا کے قوانین کا کوئی دخل نہیں یہ بات نظریہ پاکستان کے خلاف ہے جس کا نعرہ ہی یہ تھا کہ:

پاکستان کا مطلب کیا۔ **لا الہ الا اللہ**

اس میں الہ کے معنی وہ معبود نہیں جس کی مذہب کے دائرے میں پرستش کی جائے، بلکہ وہ صاحبِ اقتدار ہے، جس کے قوانین کی اطاعت ہی اسلام اور نظریہ پاکستان ہے۔ قرآن کی نظر میں اِسکی کسی بھی شق کا انکار کُفر ہے

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (المائدہ 5:44)

ترجمہ: جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتا، تو یہی لوگ کافر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ حدود متعین کر دیئے ہیں اور انسانوں سے کہہ دیا ہے کہ وہ اپنے اختیارات کا استعمال ان حدود کے اندر کرے۔ یہ حدود انسانی عقل کی تراشیدہ نہیں ہیں۔ نہ ہی انسانی عقل اِن کو متعین کر سکتی تھی۔ یہ خارج سے

وحی کے ذریعے قرآن کے اندر واضح طور پر مکتوب و محفوظ اور نا قابل تغیر و تبدل ہے۔

دنیا میں جو قوم اپنے اختیارات کو اِن حدود و قیود کے ماتحت استعمال کرتی ہیں' وہ اسلامی مملکت کی علمبردار کہلاتی ہیں۔یہی اور صرف یہی نظریہ پاکستان کی اساس ہے۔

(11) مغربی جمہوریت اور نظریہ پاکستان:

ڈاکٹر نعیم غنی نے اپنے خطاب میں مغربی جمہوریت کا ذکر کرتے ہوئے ثابت کیا کہ عملی طور پر یہاں فیصلے اکثریت کی بجائے اقلیت سے کئے جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم اس عملی اعتراض کو صرف نظر بھی کر دیں تو بھی ،اس کے نظریاتی اکثریت کے فیصلوں کے اتباع کو بھی غیر قرآنی پاتے ہیں۔اکثریت کے فیصلوں کے اتباع کے حق میں خصوصاً جبکہ وہ متفقہ اور تواتر سے ہوں ،مکتبِ مُلّا میں بھی جوش و خروش پایا جاتا ہے۔

اُن کی منطق میں لوگوں کی اکثریت کا گمراہی میں جمع ہونا محال ہے۔دو لفظوں میں بیان کیا جائے تو جمہوریت میں جس بات کا اکثریت فیصلہ سُنا دے اُسے صحیح قرار دیا جاتا ہے۔جب امریکہ کی پارلیمنٹ نے کثرت رائے سے یہ فیصلہ کر دیا کہ شراب ناجائز ہے تو وہ ناجائز قرار پا گئی اور اس کا استعمال حرام۔اور جب دوسری مرتبہ وہاں کی آراء کی کثرت اس طرف چلی گئی کہ شراب جائز ہے' تو شراب جائز قرار پا گئی اور اس کا استعمال حرام نہ رہا۔

اِس کے برعکس ہم قرآن سے ہدایت حاصل کر رہے ہیں کہ:

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (الانعام6:116)

ترجمہ:اگر تم لوگوں کی اکثریت کا اتباع شروع کر دو' تو یہ چیز تمہیں خدا کی راہ سے ہٹا کر گمراہ کر دے گی۔

علامہ اسلم جیراجپوری نے شاردا ایکٹ کے خلاف ''جس میں نابالغ کی شادی کی ممانعت کا قانون منظور ہوا تھا'' تمام علماء کی اکٹھے ہو کر ایک متفقہ ریلی نکالنے پر ریمارکس دیئے کہ:

''ہماری اُمت کی تاریخ کا یہ المیہ رہا ہے کہ ہمارے علمائے حق جب بھی کبھی متفق ہوئے ہیں' تو ہمیشہ باطل پر ہوئے ہیں۔''

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ نوع انسانی کی اکثریت کبھی صحیح راستے پر نہیں رہی اور شاید اسی کے ہی سہارے اسلامی نظامِ خلافت' ملوکیت میں تبدیل ہو کر اتنے عرصے تک اقتدار میں رہا۔قرآن میں ہے کہ:

وَإِنَّ كَثِيراً مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُون (یونس10:92)

ترجمہ:اور بے شک لوگوں کی اکثریت ہماری

آیات (حق) سے غافل ہے۔

اور اس لئے قرآن کا ارشاد ہے کہ:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْراً مِّنَ الْجِنِّ وَالاِنْسِ (الاعراف 7:179)

ترجمہ: اور جنوں اور لوگوں کی اکثریت کو تو جہنم میں پائے گا۔

مکتبِ مُلّا کے علاوہ ہمارے روشن خیال سیکولر ذہن بھی مغربی جمہوریت کے اکثریتی فیصلوں کے تانے بانے قرآن کے مشاورتی نظام سے ملاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان دونوں میں امتیاز کر کے علامہ اقبالؒ نے اُن کا رد اپنے مخصوص انداز میں یوں کیا ہے کہ

جمہوریت اِک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گِنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے

اِس ضمن میں ہم پہلے ہی قائداعظمؒ کی وضاحت بیان کر چکے ہیں کہ اسلام میں لوگوں کی اکثریت خواہ وہ مغربی جمہوریت کی شکل میں پارلیمان کی ہو کے فیصلوں کو نافذ کرانے کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(12) نظریہ پاکستان میں فیڈرل نظام کی گنجائش نہیں:

محترم ڈاکٹر نعیم غنی نے قرارداد مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے اسے بالعموم سراہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک مثبت قدم کی طرف پیشرفت ہے لیکن اس میں سُقم بھی پائے جاتے ہیں، اِن میں سے میں ایک کا ذکر ضرور کرنا چاہوں گا۔

قرارداد مقاصد کی ایک شِق ہے کہ پاکستان کی حکومت فیڈریشن کے انداز کی ہوگی۔

To put in words of constitution under preamble, it is stated therein:
Wherein the territories must included are in accession with Pakistan as such other territories be included in are accede to Pakistan shall form a federation where in the units will be autonomous with such boundries and limitations on their powers and authorities as may be prescribed.

فیڈرل حکومت کے معنی یہ ہیں کہ مختلف صوبے کہ جنہیں اس حکومت کے یونٹ کہا جائے گا۔ اپنی اپنی جگہ آزاد ہوں گے۔ البتہ (Sovereignty) ایک ہوگی۔ فیڈرل گورنمنٹ کے اختیارات اِنہی شعبوں تک محدود ہوں گے جو آئین کی رُو سے فیڈرل لسٹ میں شامل ہوں گا۔

نظریہ پاکستان جونظریہ اسلام ہے، جیسا کہ ہم قرآن کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں' اس کا منتہائے نگاہ انسانیت کی وحدت ہے۔ اس کے نزدیک انسانوں کی صرف دو جماعتیں ہیں۔ ایک وہ جو اپنا معاشرہ اسلامی نظریے کے مطابق قائم کرنا چاہیں اور دوسرے وہ جو کسی دوسرے نظریے کے ماتحت معاشرتی نظام قائم کرے۔اور یہی وہ معیار ہے' جس کی رو سے تمام مسلمان ایک قوم کے افراد بنتے ہیں۔ اسلام کی رو سے انسانوں کی تقسیم کرنے کے سب معیار غلط ہیں۔اس میں ہمارے ہاں جو تقسیم لسانی' نسلی یا جغرافیائی بنیاد پر کی جاتی ہے' وہ تقسیم نا قابلِ قبول ہے۔اس لئے ملتِ اسلامیہ کی وحدت کو جو کمزور کرے وہ نظام غیر اسلامی اور نظریہ پاکستان کے خلاف ہے۔

(13) ایک وضاحت اور دعوت:

آخر میں ایک تکنیکی وضاحت کرنا بھی چاہوں گا کہ مقالے میں قرآن چونکہ کلام الٰہی اور خدا ہی کے الفاظ میں نازل ہوا ہے' اس لئے ضروری تھا کہ اُس کے حوالے اُسی کے الفاظ میں بیان کئے جائیں۔اس لئے یونیورسٹی میں رائج تحقیقی ضابطوں کے تحت اُن کے حوالے قرآنی متن میں دیئے جارہے ہیں۔قرآن کے حوالوں میں سورۃ کا نام اور اُس کے بعد سورۃ نمبر اور آیت کا حوالہ قرآن کے درج عربی متن کے ختم ہونے کے بعد یوں دیا گیا ہے۔

مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی آیات نمبر 160 کا حوالہ یوں پائیں گے (البقرہ:2:160)

میں نے اپنے مقالے میں کوشش کی ہے کہ اُن تمام اہم سوالات کا جواب دے سکوں جو مختلف حلقوں کی طرف سے نظریہ پاکستان کے حوالے سے اعتراضات کی شکل میں کئے جارہے ہیں۔میری اس تحقیق میں کوشش کی گئی ہے کہ سوالوں کے جواب میں اُن مستند اصحاب کا واضح زبان میں مؤقف پیش کرسکوں جو نظریہ پاکستان کے حوالے سے سب سے بلند مقام رکھتے ہیں۔

جیسا کہ دیکھا گیا ہے' اُن سب کے مؤقف میں یکسانیت سے اس بات میں اتفاق پایا جاتا ہے کہ اصل میں قرآنِ کریم ہی نظریہ پاکستان ہے۔اس لیے نظریہ پاکستان کے حوالے سے حتمی اور قطعی سند صرف اور صرف قرآن حکیم ہی کی ہے۔ہماری خوش قسمتی ہے کہ قرآن اپنی اصلی حالت میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔

اس لئے میں نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ مقالے میں اپنے مؤقف کے حق میں سند صرف اور صرف قرآن کریم ہی سے لاؤں۔اس میں بھی احتیاط کرنے کی امکان بھر کوشش کی کہ انتخاب بھی انہی آیاتِ قرآنی کا کروں جو آسان اور مختصر ہوتے ہوئے بھی اتنی محکم ہو کہ اُن کے اور اُن سے متضاد مفہوم نکالنے کی گنجائش نہ چھوڑی جائے۔

فہم قرآن کے لئے ہم سب اور خصوصاً ہمارے

اربابِ علم و اختیار پر لازم ہے کہ مکتبِ مُلاّ کی تقلید چھوڑ کر عصرِ حاضر کے علمی انکشافات اور اصولوں سے مستفید ہوتے ہوئے قرآن سے براہ راست تدبر سے روشنی حاصل کریں۔ اسی روش کا اعلان خود اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کی زبان سے کروایا ہے کہ:

قُلْ هَـٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (یوسف 12:108)

ترجمہ: (اے رسول) ان سے کہو کہ میری راہ یہی ہے کہ میں تمہیں خدا کی طرف علیٰ وجہ البصیرت دعوت دیتا ہوں۔ میں بھی ایسا کرتا ہوں اور جو میرے متبعین ہوں گے وہ بھی ایسا کریں گے۔

قرآن سے علیٰ وجہ البصیرت غور و فکر سے روشنی حاصل کرنا، یہی سُنتِ رسول ﷺ ہے۔ اگر ہم نے اس روش کی سمت قدم بڑھا دیا، تو قرآن و سُنت کی تشریح کے مشکل مرحلے کا حل نکالنے میں آسانی ہو جائے گی۔

میں سمجھتا ہوں کہ نظریہ پاکستان کی بھی یہی دعوت ہے۔ اسی سے اسلامی مملکت کے قیام کی طرف ابتداء کی جائے گی۔

اللہ ہم سب کا حامی و نگہبان ہو۔

نظریۂ خیر

ادارہ طلوع اسلام کے چیئرمین ڈاکٹر انعام الحق صاحب کا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ بعنوان ''نظریۂ خیر' فلسفۂ اخلاق اور قرآن کی روشنی میں'' شائع ہو گیا ہے۔ یہ فکر انگیز تصنیف ادارہ طلوع اسلام 25بی' گلبرگ2' لاہور سے دستیاب ہے۔534 صفحات کی اس کتاب کی قیمت-/300 روپے ہے۔50فی صد کی خصوصی رعایت کے بعد صرف-/150 روپے میں علاوہ ڈاک خرچ ادارہ طلوع اسلام سے دستیاب ہے۔

بایزید یلدرم

صابر صدیقی صاحب کا نام طلوع اسلام کے حلقوں میں تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ طلوع اسلام ٹرسٹ سے ان کی کتابیں ابلۂ مسجد' اور کن فیکون شائع ہو کر قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ''بایزید یلدرم'' ان کا ایک تاریخی ناول ہے جو انہوں نے بہت محنت سے لکھا ہے۔ یہ ناول ادارہ طلوع اسلام سے رعایتی قیمت-/150 روپے علاوہ ڈاک خرچ میں دستیاب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عوام کی عدالت

روزنامہ جنگ لاہور مورخہ 2011-4-3 کے فرنٹ پیج پر ''منبر ومحراب معاشرے کی اصلاح میں ناکام رہے! دیکھیئے علماء ''عوام کی عدالت میں'' افتخار احمد کے ساتھ۔ لارج سائز اشتہار کے بعد 2011-4-3 کو رات 8:05 بجے بہت اچھا مذاکرہ ہوا اور 2011-4-4 کے روزنامہ جنگ میں اس کی مندرجہ ذیل رپورٹ شائع ہوئی۔ یہ رپورٹ بھی بڑی دلچسپ اور معاشرے کی اصلاح کے لئے بڑی مفید ہے۔ اس لئے طلوع اسلام کے قارئین کی نذر کی جارہی ہے۔ کاش اس میں اس امر پر بھی زور دیا جاتا کہ مسجد کی رجسٹریشن کے قانون سے فرقے یا مسلک یعنی دیوبندی' بریلوی' اہل حدیث یا شیعہ وغیرہ کی تخصیص وتصور کو ختم کیا جائے۔ منبر ومحراب کے انتخاب کے لئے یونیورسٹی کی ڈگری کے لازمی ہونے کا مشورہ بھی بہت کارآمد ہے۔ (ادارہ)

منبر ومحراب معاشرے کی اصلاح میں ناکام رہے'

''عوام کی عدالت''، میں اکثریتی رائے

طاہر اشرفی' عدنان کاکاخیل' مسعود بیگ' ہارون گیلانی

کی جیو کے پروگرام میں افتخار احمد سے گفتگو

کراچی (جنگ نیوز) جیو نیوز پر ''عوام کی عدالت'' میں 72 فیصد حاضرین نے منبر و محراب کو معاشرے کی اصلاح میں ناکام قرار دیا' 28 فیصد حاضرین ان کے حق میں رہے' حاضرین کی رائے تھی کہ منبر ومحراب محبت کا پیغام دینے اور اتحاد قائم کرنے کی بجائے فرقہ وارانہ تشدد کا باعث بن رہا ہے۔ انبیاء کی وراثت محراب و منبر درس انسانیت کے بجائے ذاتی مفادات کے ایجنڈے کا شکار ہو چکا ہے۔ دوسری جانب کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ تلقین کی حد تک منبر ومحراب سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔ 32 سے زائد ممالک کے طلبہ دینی تعلیم کے حصول کے لئے پاکستان آتے ہیں تو منبر ومحراب کیسے ناکام ہے؟ جیو نیوز کے پروگرام ''عوام کی عدالت'' میں اس موضوع پر گفتگو ہوئی تھی کہ منبر و محراب معاشرے کی اصلاح میں ناکام رہے؟ چیئرمین پاکستان علماء کونسل علامہ طاہر اشرفی نے کہا کہ پاکستان اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے حاصل کیا گیا تھا

اور یہاں منبر اور محراب کو بہت بڑا مقام حاصل تھا اور آج بھی ہے، مگر بدقسمتی سے گزشتہ چند دہائیوں میں قوم کو تقسیم کیا گیا۔ منبر ومحراب سے کلمہ توحید اور ختم نبوت کا جو نعرہ بلند ہوتا تھا، اس میں کہیں نہ کہیں کوتاہی رہ گئی۔ ڈائریکٹر کلیہ الشریعہ جامعہ رشید سید عدنان کاکاخیل نے کہا کہ منبر ومحراب رسول کی وراثت ہے۔ ان کا بنیادی کام وہی ہے جو انبیاء کرام کرتے تھے، اس معاملے میں منبر ومحراب نے کسی کوتاہی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اگر آج معاشرے میں دین کا کوئی اثر نظر آ رہا ہے، تو اس میں منبر ومحراب کا اہم کردار ہے یہ حقیقت ہے کہ آج منبر ومحراب کو وہ مقام حاصل نہیں ہے جو ماضی میں ہوتا تھا۔ تاریخی طور پر حکومتیں منبر ومحراب سے چلائی جاتی تھیں، تب صرف تلقین نہیں بلکہ اسلام کا عملی نفاذ ہوتا تھا۔ اس لئے منبر ومحراب نے تلقین کی حد تک کوئی کوتاہی نہیں کی۔ ہمیشہ اپنی بات درست انداز میں عوام تک پہنچائی۔ مرکزی سیکریٹری جنرل تحریک فیضان اولیاء سید ہارون علی گیلانی نے کہا منبر ومحراب انبیاء کی وراثت ہے۔ عقائد کی تعلیم کے ساتھ ساتھ درس انسانیت اس کا بنیادی فرض تھا لیکن بدقسمتی سے ہمارا منبر ومحراب ذاتی مفاد کا شکار ہو چکا ہے۔ جب ملت اسلامیہ پر تاتاری حملے کر رہے تھے تو ہمارا منبر ایک دوسرے کو کافر قرار دینے کی بحث میں الجھا ہوا تھا اور آج مغربی استعمار ہم پر حملہ آور ہے اور ہم صرف کفر کے فتوؤں میں الجھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا منبر کی اصل ذمہ داری محبت پھیلانا ہے۔ صوفی بزرگ حضرت میاں میر نے اپنے مذہب کے اندر رہتے ہوئے غیر مذہب یعنی سکھ گوردوارے کا سنگ بنیاد رکھ کر انسانیت سے محبت کی درخشاں مثال قائم کی۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہمارا منبر اسی طرح نفرت انگیز سرگرمیوں میں ملوث رہا تو یہاں پر سیکولرازم پروان چڑھنا شروع کر دے گا۔ اگر منبر ومحراب نے معاشرے کی اصلاح جیسی بنیادی ذمہ داری ادا کی ہوتی تو آج انہیں حکومتیں چلانے کا موقع ملتا اور لوگ منبر کو اپنا ووٹ ڈالتے۔ ناظم جامعہ بنوریہ عالمیہ مولانا مسعود بیگ نے کہا کہ نامساعد حالات کے باوجود منبر ومحراب نے اپنی ذمہ داری کے لئے پوری کاوشیں کی۔ معاشرے کی اصلاح میں منبر ومحراب ہرگز ناکام نہیں رہے ہیں کیونکہ انتظامی قوت اور تعلیمی میدان منبر ومحراب کے اختیار میں نہ ہونے کی وجہ سے ان کی باتیں زیادہ موثر نہ ہوسکیں۔ انہوں نے کہا کہ دنیاوی تعلیم کے لئے ہمارے لوگ باہر کا رخ کرتے ہیں مگر دینی تعلیم کے لئے 32 سے زائد ممالک کے طلبہ ہمارے منبر ومحراب سے علم سیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ جو منبر ومحراب کے کردار کی بہت بڑی گواہی ہے۔ معاشرے کی اصلاح کے لئے ہماری کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ آج یونیورسٹیوں میں بھی باپردہ خواتین ملتی ہیں۔ میزبان افتخار احمد نے سوال کیا کہ پاکستان میں موجود لاکھوں مساجد میں پانچ وقت لوگ آتے ہیں۔ یہ طاقت کسی سیاسی جماعت کے پاس نہیں ہے

مگر مساجد ان لوگوں کو خیانت' جھوٹ اور ظلم کے خاتمے کے لئے کیوں نہیں تیار کر سکی؟ اس پر مولانا مسعود بیگ نے کہا کہ ہم ہمیشہ معاشرتی مسائل پر خطبہ دیتے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام صرف عبادات کا نام نہیں ہے ہمیں معاشرت نبوی اپنانے کی ضرورت ہے۔ علامہ طاہر اشرفی نے کہا کہ جب ہماری مسجد کچی ہوتی تھی تو قیصر و کسریٰ کے محلات کو ہلا دیتی تھی۔ مگر جب مسجد سے سیاست اور فرقہ وارانہ تشدد کی آوازیں بلند ہوئیں اور جب ہمارے خطیب نے شاہ ولی اللہ اور علی ہجویری جیسے بزرگان کے افکار کو چھوڑ کر اپنے ذاتی ایجنڈے کو اختیار کر لیا تو پھر ہر مسلک کے اندر کئی کئی گروہ بن گئے۔ مجھے پاکستان کے مذہبی طبقے کے اندر رسول کا پرچم نظر نہیں آ رہا۔ ہر طرف کسی ملا' پیر' فقیر کا پرچم دکھائی دیتا ہے۔ سید ہارون علی گیلانی نے کہا کہ اگر مدارس سے تعلیم یافتہ افراد پانچ فیصد ہوں تو معاشرے کی اصلاح ہو جانی چاہئے تھی اور ہمارے ہاں جھوٹ' خیانت' بے ایمانی' قتل اور ڈاکے جیسے جرائم نہیں ہونے چاہئے تھے۔ ہمارے لوگ مولوی کا وعظ سننے نہیں آتے جب عربی خطبہ شروع ہوتا ہے تب لوگ مسجد میں داخل ہوتے ہیں۔ مولانا مسعود بیگ نے کہا کہ مجھے اس بات سے اتفاق ہے کہ لوگ خطبہ سننے سے کتراتے ہیں جب ہماری بات سنی نہیں جائے گی اس کا اثر کہاں سے ہوگا؟ سید عدنان کاکاخیل نے کہا کہ علامہ اقبال کی شاعری خودی کے فلسفے پر ہے مگر آپ کے معاشرے میں کتنے اقبال کے شاہین پیدا ہوئے؟ اور اگر نہیں ہوئے تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟ قائد کے اقوال پر قوم اور سیاستدانوں نے کتنا عمل کیا؟ حضرت نوحؑ نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی صرف اسی (80) لوگ ایمان لائے کیا ان کی بات غلط تھی؟ درحقیقت ایک انسان درست بات کرنے کا پابند ہے نتائج حاصل کرنے کا پابند نہیں ہے۔ میزبان افتخار احمد نے کہا کہ کیا علامہ اقبال کی شاعری اور قائداعظم کے اقوال دن میں پانچ مرتبہ لاکھوں مساجد سے سنائے جاتے ہیں؟ علامہ طاہر اشرفی نے کہا کہ حضرت نوحؑ نے کافروں کو دعوت دی تھی ہماری مساجد سے مسلمانوں کو وعظ کیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ منبر و محراب کا صاحب کردار ہونا ضروری ہے۔ تب ہی احمد علی لاہوری اور بابا فرید گنج شکر جیسی مثالیں سامنے آ سکتی ہیں۔ سید ہارون علی گیلانی نے کہا کہ قائداعظم انگریزی میں تقریر کرتے تھے اور لاکھوں لوگ ان کی آواز پر لبیک کہتے تھے۔ سید عدنان کاکاخیل نے کہا کہ بدقسمتی سے منبر و محراب کا انتخاب مسجد کمیٹیاں کرتی ہیں جن کا اپنا دینی علم ہی نہیں ہوتا۔ جس پر علامہ طاہر اشرفی نے کہا اب پاکستان کی بیشتر مساجد اور مدارس خود کفیل ہیں لیکن وہاں بھی جاہل علماء موجود ہیں۔ سید ہارون گیلانی نے کہا علماء کی کمی کی وجہ سے مساجد کمیٹیاں جاہل علماء کو لینے پر مجبور ہیں' ہمارے ملک میں جید علماء کی بہت کمی ہے۔ علامہ طاہر اشرفی نے کہا کہ ہمارا عالم آج بھی کسی کمیٹی سے زیادہ طاقتور ہے لیکن 63

سال سے ملک میں سودی نظام کا خاتمہ نہیں ہو سکا۔ کیونکہ ہمارا منبر ومحراب متحد نہیں ہے۔ سید عدنان کا کا خیل نے کہا کہ 1997ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان میں سود کے خاتمے کا فیصلہ کر چکی ہے جس کے لئے جسٹس تقی عثمانی جیسے علماء کا اہم کردار ہے۔ اس سوال پر کہ کیا ہمارے معاشرے میں مساجد وہ کردار ادا کر رہی ہیں جن کی اسلامی معاشرے میں ان سے توقع کی جاتی ہے؟ عدنان کا کا خیل نے کہا کہ جہاں مساجد میں اہل افراد موجود ہیں وہاں صحیح کردار ادا کیا جا رہا ہے مگر منبر ومحراب سو فیصد اہل لوگوں کے ہاتھ میں نہیں۔ علامہ طاہر اشرفی نے کہا کہ ہم بطور علماء معاشرے کو وہ قیادت فراہم نہیں کر سکے جو معاشرے کی اصلاح کرتی ہو' ہم اس میدان میں ناکام ہوئے ہیں۔ سید عدنان کا کا خیل نے کہا جن لوگوں کو علماء کہا جاتا ہے وہی معاشرے کو مورل سپورٹ فراہم کرتے ہیں اور وہیں سے تمام اچھائیوں کی ابتداء ہوتی ہے۔ سید ہارون گیلانی نے کہا کہ علماء نے محبت کے بجائے فرقہ واریت پھیلائی۔ سید عدنان کا کا خیل نے کہا کہ کوئی بھی سچا عالم کبھی کرپٹ نہیں ہو سکتا اور جو کرپٹ ہے وہ نبی کا وارث نہیں ہے۔ پروگرام کے آخر میں ہال میں موجود حاضرین نے سوالات کئے۔ حافظ بلال نے پوچھا کہ ہماری مساجد کو چندے کی لعنت نے بہت متاثر کیا ہے۔ جس پر علامہ طاہر اشرفی نے کہا کہ ہمارے پاس بے شمار ایسے علماء ہیں جو چندے کی لعنت سے پاک ہیں۔ سید عدنان کا کا خیل نے کہا کہ سکولوں اور کالجوں میں چندہ کیوں جمع نہیں کیا جاتا کیونکہ وہ ریاست کی ذمہ داری ہیں۔ جب ریاست مساجد کے حوالے سے اپنی ذمہ داری نہیں پورا کرے گی تو ایسا ہوتا ہے۔ سونیزا ارشد نے سوال پوچھا کہ کیا دوغلے پن کی وجہ سے ہمارے منبر ومحراب متاثر نہیں ہوئے ہیں؟ سید ہارون گیلانی نے کہا کہ معاشرے میں دوغلے پن کا خاتمہ منبر ومحراب کی ذمہ داری تھی جسے بدقسمتی سے پورا نہیں کیا جا سکا۔ حیدر علی کا سوال تھا کہ منبر ومحراب آج حلوے کی دو پلیٹوں کی خاطر بک جانے والوں کے پاس ہے اور انہوں نے فرقہ واریت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ جس پر سید عدنان کا کا خیل نے کہا کہ ہمیں اس بات سے مکمل اتفاق ہے' کہ منبر ومحراب پر بیٹھے ہر شخص نے اپنی ذمہ داری نہیں نبھائی۔ علامہ طاہر اشرفی نے کہا کہ ہمیں منبر ومحراب پر بیٹھنے والوں سے یہ کہنا ہوگا کہ وہ اپنی سیاست کو مسجد سے دور رکھیں۔ مولانا مسعود بیگ نے کہا کہ قوم کو بیدار ہونا پڑے گا کہ وہ اپنے منبر ومحراب کے لئے صحیح آدمی کا انتخاب کریں۔ سید ہارون گیلانی نے کہا کہ منبر ومحراب کے انتخاب کے لئے دین کے علاوہ یونیورسٹی کی ڈگری لازمی قرار دی جائے۔ 72 فیصد حاضرین نے منبر ومحراب کو معاشرے کی اصلاح میں ناکام قرار دیا جبکہ 28 فیصد کی رائے تھی کہ منبر ومحراب معاشرے کی اصلاح میں ناکام نہیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شفقت محمود

بالآخر ہمیں ایک قوم بننا ہی ہوگا!!

محترم شفقت محمود صاحب کا مضمون ہذا روز نامہ جنگ لاہور کی 12 جون 2010ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔تقریباً یہی مضمون 14 جون 2010ء کے روز نامہ آواز لاہور میں 'یہ ہمارے امیج کا معاملہ ہے' (سپیشل رپورٹ) کے عنوان سے بھی شائع ہوا ہے۔اس مضمون کی انتہائی اہمیت کے پیش نظر اسے من وعن طلوعِ اسلام کی زینت بنایا جارہا ہے۔اس مضمون کے آخری پیرا کی خصوصی اہمیت کی وجہ سے اسے یہاں دوبارہ نقل کیا جارہا ہے:

> ''تعلیم کے محاذ پر ہونے والی جنگ قوم کی بقاء اور خوشحالی کے لئے ازبس ضروری ہے۔ہمیں حقیقی معنوں میں ایک جسد واحد' ایک قوم بننا ہوگا۔کسی بھی کام کو شروع کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں تاہم یہ کام ہم گزشتہ چھ عشروں سے تو کرنہیں سکے نہ ہی اس کی کوئی امید نظر آتی ہے۔جس دن ہم اس پل کو عبور کرلیں گے ہمیں اپنا راستہ مل جائے گا۔''

اس مقصد کے حصول کے لئے ''دینی مدارس اور حکومت'' کے عنوان سے طلوع اسلام کے مارچ 2010ء کے شمارے میں شائع ہونے والے مضمون کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہوسکتا ہے۔

پاکستان کے بارے میں عالمی رائے اور نقطۂ نظر روز بروز منفی ہوتا چلا جاتا ہے۔ امریکہ کے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے پاکستان کو دنیا کا پانچواں غیر مستحکم ملک قرار دے دیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اسرائیل اور بھارت دونوں نے اپنی نظریں ہمارے ملک پر گاڑ رکھی ہیں۔بعض اوقات تو اسے یہود و ہنود کی مشترکہ سازش قرار دینا بھی مشکل لگتا ہے جو ہمارا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ وقت آن پہنچا ہے کہ ہم اپنے اندر جھانک کر دیکھیں اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کرلیں!!! اپنی ناکامیوں کے لئے دوسروں کو موردِ الزام ٹھہرانا اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ ہم نے اپنے گناہوں کو ازخود ہی معاف کر دیا ہے۔ یہ درحقیقت ایک بھاری ذمہ داری سے انحراف کے مترادف ہے جس کا مظاہرہ اس وقت بھی دیکھنے میں آیا جب احمدیوں کی عبادت گاہوں کو حملے کا نشانہ بنایا گیا تھا۔کسی نے کہا یہ سب کچھ بھارتی خفیہ ایجنسی را نے کیا ہے' بعض کا کہنا تھا کہ اس حملے کے پیچھے اسرائیل کا ہاتھ ہے اس طرح ہم اپنی تمام تر ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوگئے۔ نہ ہی ہمیں یہ خیال آیا کہ اقلیتوں کے ساتھ ہمارے سلوک کی نوعیت کیا ہے؟ نہ ہی کسی نے سوچا کہ ہمارے قانون نافذ کرنے والے ادارے

کس بری طرح ناکامی سے دوچار ہوئے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ ناقابل معافی لوگ وہ ہیں جن کا خیال ہے کہ احمدیوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیونکہ ان کے مذہبی عقائد نے انہیں ایسے ہی سلوک کا مستحق بنا دیا تھا۔ جب تک ہم اپنی خامیوں کو تسلیم نہیں کریں گے اس وقت تک کوئی تبدیلی' کوئی پیشرفت ممکن نہیں ہوگی۔ ہماری بہت سی غلطیوں' نقائص اور خامیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم نے ایک مختصر سی اقلیت کو یہ اجازت دے دی ہے کہ وہ ہمیں خوف اور بزدلی کے اندھریوں میں دھکیل دے طالبان نے ہم میں سے بعض کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اس کا ثبوت ہے۔ ہمارے تصادم پسند مُلّا ایک طویل مدت سے اسی کام میں مصروف ہیں۔ المناک واقعہ تو یہ ہے کہ میڈیا کے کچھ لوگ ان افراد کی' بول کر یا مصلحت آمیز خاموشی کے ذریعے مدد کر رہے ہیں۔ سیاست دانوں کا کردار بھی کچھ زیادہ اچھا نہیں رہا۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو دہشت گردی کی مذمت تو کرتے ہیں تاہم احمدیوں کے حق میں ایک حرف بھی ان کے منہ سے نہیں نکلا۔ اس پس منظر میں میاں محمد نواز شریف کے بیان کو خاصا جرأت آزما قرار دیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے یہ کہہ کر کہ احمدی ہمارے (پاکستانی) بھائی ہیں ان تمام لوگوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے جو لبرل ازم کے خودساختہ دعویدار بنے ہوئے ہیں۔ میاں محمد نواز شریف کے اس بیان نے دائیں اور بائیں دونوں بازوؤں سے تعلق رکھنے والے سیاست دانوں کو حیران کر کے رکھ دیا ہے۔ لبرل عناصر جو یا تو کچھ کہنا ہی نہیں چاہتے یا پھر وہ نواز شریف کے لئے کوئی اچھی بات کہنے کی اہلیت ہی سے محروم ہیں' اسی بات کو بار بار دہرانے میں مصروف ہیں کہ انہوں نے یہ بیان عوامی دباؤ سے مجبور ہو کر دیا ہے۔ مُلّا تو میاں صاحب کے خون کے پیاسے ہیں اور انہیں راہ راست پر آنے کی دھمکیاں بھی دے رہے ہیں۔ میڈیا پر دائیں بازو کے لوگ جو شریف برادران کی ہر بات پر شوروغل مچانے کے عادی ہیں' اب چپ سادھ کر بیٹھ گئے ہیں۔ نواز شریف کے بیان کی سب سے زیادہ مخالفت ایک ایسی تنظیم کر رہی ہے جو ملک میں دینی اور مذہبی مدارس چلاتی ہے۔ اسی سے آپ یہ اندازہ بھی بآسانی لگا سکتے ہیں کہ یہ لوگ ان دینی مدرسوں میں طلبہ کو کس بات کی تعلیم دیتے ہوں گے؟

ہم ایک جنگ لڑنے میں مصروف ہیں جو دہشت گردی کے خاتمے کی غرض سے لڑی جا رہی ہے جس میں ہماری قوم کے بہادر بیٹے اپنی بیش قیمت جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں لیکن ہم اب بھی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جب تک ہم دہشت گردوں کے سیلاب کے اصل سرچشمے اور منبع کو بند نہیں کریں گے اس وقت تک ان کے ساتھ یہ جنگ ہمیشہ جاری رہے گی۔ یہ دینی اور مذہبی مدرسے دراصل دہشت گردوں کو تیار کرنے کے ذمہ دار ہیں' انہیں بند کر دینا ہی اس مسئلے کا حل ہے۔ چنانچہ یہی مناسب ترین وقت ہے کہ ان دینی مذہبی مدرسوں کو قومی دھارے میں لایا جائے اور ان کے لئے ایک

ایسا نصاب تعلیم تجویز کیا جائے جس میں اسلامی تعلیمات اور ہدایات پر زور دینے کے ساتھ ساتھ دیگر مضامین کو بھی شامل کیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اِن دینی اور مذہبی درس گاہوں سے فارغ التحصیل طلبہ نہ صرف اسلامی تعلیمات سے بہرہ مند ہوسکیں گے بلکہ انہیں اس دنیا کے بارے میں بھی وسیع معلومات حاصل ہوں گی جس میں ہم سب اپنی اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس طرح کی مخلوط تعلیم کا بہترین نمونہ جاوید احمد غامدی ہیں۔ ازراہ کرم یہ بات نوٹ کیجئے کہ میں نے ان کے نام کے ساتھ مولانا کا سابقہ استعمال نہیں کیا نہ ہی انہیں اس کا کوئی دعویٰ ہی ہے۔ ورنہ ہمارے ملک میں ایسے ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو بڑے بڑے مذہبی خطابات کے سابقے اور لاحقے اپنے ناموں کے ساتھ لگاتے ہیں لیکن اسلام کے بارے میں ان کی معلومات نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں۔

جاوید احمد غامدی' ایک حقیقی سکالر ہیں اور اسلامی ادبیات کے علاوہ بھی دیگر عالمی مذاہب کے ساتھ ساتھ عالمی امور پر بھی انتہائی گہری نظر رکھتے ہیں۔ آخر وہ ایسے کیوں ہیں اور آخر وہ کیا چیز ہے جس نے انہیں ایسا بنایا ہے کہ وہ ایک مذہبی جنونی کی طرح ہر اس شخص کو واجب القتل نہیں سمجھتے جو ان کے عقائد اور نظریات سے اتفاق نہیں کرتا۔ وہ ایک ایسے عالم شخص ہیں جو جدید علوم پر گہری نظر رکھتے ہیں اور اسلامی تعلیمات کو ایک ایسے تناظر میں پیش کرتے ہیں جسے پڑھا لکھا طبقہ بآسانی سمجھ سکتا ہے وہ کسی بھی مسلمان سے کم ہرگز نہیں ہیں لیکن کیا آپ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے نظریات سے اختلاف رکھنے والوں کے خلاف کبھی بندوق بھی اٹھا سکتے ہیں۔

ہمارے مذہبی اور دینی مدرسوں سے بھی ایسے ہی عالم پیدا ہونے چاہئیں۔ ممکن ہے وہ جاوید احمد غامدی کی طرح صاحب علم و آگہی نہ ہوں لیکن کم از کم اپنے مذہبی عقائد کے علاوہ انہیں سائنس' جدید ٹیکنالوجی اور جدید دنیا کے بارے میں تو علم ہوگا!

اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا شخص تمام تر اختلافات کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کر سکے گا۔ یہ اختلافات نسل' رنگ' زبان' لسانیت اور مذہبی نوعیت کے ہو سکتے ہیں بہر کیف ایسی شخصیت کی تخلیق آسان نہیں ہوگی کیونکہ ہم میں سے بہت سوں کو بحث و مباحثے اور تبادلہ خیال کے دوران' اختلافات کو برداشت کرنے کی عادت بالکل بھی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ تعلیم یافتہ افراد بھی اس سے مبرا نہیں ہیں اور اختلاف رائے کو برداشت نہیں کرتے لیکن کوشش کر کے دیکھ لینے میں حرف ہی کیا ہے؟ آپ پوچھیں گے کیوں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے مستقبل کا دارومدار ہی اسی بات پر ہے۔ ہماری قومی نفسیات' اردو اور انگریزی میڈیم سے فارغ التحصیل ہونے والے افراد کے مابین تقسیم ہو چکی ہے۔ مذہبی اور دینی درس گاہوں سے پڑھ کر آنے والے طلبہ اس کے علاوہ ہیں۔ ناخواندہ اور اَن پڑھ لوگ بھی ہیں جو اس بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ اب

آپ ہی بتائیے کہ جس قوم میں اتنے اختلافات اور نقطۂ ہائے نظر موجود ہوں، وہ ایک مربوط قوم میں تبدیل کیسے ہوسکتی ہے؟

تعلیم کے محاذ پر ہونے والی جنگ قوم کی بقاء اور خوشحالی کے لئے ازبس ضروری ہے۔ ہمیں حقیقی معنوں میں ایک جسد واحد ایک قوم بننا ہوگا۔ کسی بھی کام کو شروع کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں تاہم یہ کام ہم گزشتہ چھ عشروں سے تو کرنہیں سکے نہ ہی اس کی کوئی امید نظر آتی ہے۔ جس دن ہم اس پل کو عبور کرلیں گے ہمیں اپنا راستہ مل جائے گا۔

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزمِ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہوچکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	160/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	325/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	325/-
سورہ النحل	(16)	334	250/-	سورہ یٰسین	(36)	164	125/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	275/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	325/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	325/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	325/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	275/-				
سورۃ الانبیآء	(21)	336	225/-				
سورۃ الحج	(22)	380	275/-				
سورۃ المؤمنون	(23)	408	300/-				
سورۃ النور	(24)	264	200/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	275/-				
سورۃ الشعرآء	(26)	454	325/-				
سورۃ النمل	(27)	280	225/-				
سورہ القصص	(28)	334	250/-				
سورہ عنکبوت	(29)	388	275/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع سلام (رجسٹرڈ) 25/B، گلبرگ 2، لاہور، فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(یکے از مطبوعات ادارہ باغبان ایسوسی ایشن)

عنوان: بچوں کی شگفتہ اور شوخ شرارتیں

☆ باغبان ایسوسی ایشن کا ماٹو ''قرآن فہمی اور باغبانی'' ہے۔

☆ باغبانوں کے غیر رسمی اجتماعات ہر ماہ کی 15-30 تاریخ کو ہوتے ہیں۔

☆ بڑوں کی نقل کرتے ہوئے بچوں نے بھی 15-30 تاریخ کو اپنے اپنے اجتماعات کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ انہوں نے اپنی شگفتہ اور شوخ شرارتوں یا دوسرے لفظوں میں غور و فکر کو لطیف پیراؤں میں ادا کر کے ایک نئی طرح رقم کی ہے۔ آیئے آج کی محفل میں ہم آپ کو بچوں کی ایسی ہی شگفتہ اور شوخ شرارتوں کا نظارہ کراتے ہیں۔ (مختصراً)

☆ محترم و معزز بابا جی نے اپنے ''دیدہ ور'' بیٹے کا نام ''سلیم'' رکھا تھا۔ جو کہ ہمارے چچا بھی ہیں۔ معاشرے پر چھا رہے ہیں۔ ہمارے ادارہ کے ناظم صاحب کا نام ''سلیم'' اور قانونی مشیر کا نام بھی ''سلیم'' ہے۔ بھئی آپ میں سے بھی کسی کا نام ''سلیم'' ہے۔ تین بچوں نے ہاتھ بلند کر کے کہا جی ''ہاں'' واہ بھئی واہ۔

☆ ایک بچی جو خاموش بیٹھی تھی بولی میرا نام ''ک'' سے ''فکیرہ'' ہے۔ میری امی نے بہت غور و فکر کے بعد میرا نام رکھا ہو گا۔ بچے مجھے ''فقیرنی'' کہتے ہیں۔ مجھے بہت جھگڑا کرنا پڑتا ہے کہ میں فقیرنی نہیں بلکہ ''فکیرنی'' ہوں مجھے ''فکیرہ'' کہا کرو۔ تاکہ تمہیں بھی فکر کرنا نصیب ہو۔

☆ بچوں نے اپنے تجربات سے ثابت کر دکھایا کہ سب سے بڑی بہادری سچ بولنا ہے۔

☆ دو بچوں نے باغبان ایسوسی ایشن کے صدر ملک حنیف وجدانی کے لئے ''بابائے باغبانی'' کا لقب تجویز کیا۔

☆ ایک بچے کے ہاتھ میں کانچ کے گلاس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ اس نے پوچھا یہ پانی کتنے منٹ کا ہے۔ بچے ہنس پڑے منٹ کا کیا مطلب۔ اس نے بتایا کہ میں نے غسل خانے کی ٹونٹی کو ایسے بند کیا کہ ہر سیکنڈ بعد ایک قطرہ گرنے لگا۔ میں نے نیچے گلاس رکھا یہ 300 قطرے پانی 5 منٹ میں جمع ہو گیا ہے۔ 60x5=300 بچے بہت خوش ہوئے کہ ہم بھی اس طرح برتن بھریں گے۔

☆ ایک موجد بچے کے انعام کا آغاز ایک ہزار روپے سے کیا جائے گا۔ یہ انعام بڑھتا رہے گا۔

☆ سوچنے والو! بچو! آپ بھی رابطہ رکھئے۔

(شعبۂ نشر و اشاعت ادارہ باغبان ایسوسی ایشن، سنبل سیداں، نیو مری)

پاکستان میں

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔ رابطہ۔ گل بہار صاحبہ	بروز جمعہ	10AM
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔ رابطہ: شیخ صلاح الدین، فون۔ 0992-334699، موبائل 0321-9813250	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
اسلام آباد	برمکان ڈاکٹر انعام الحق، مکان نمبر 302، سٹریٹ نمبر 57، سیکٹر F-11/4 رابطہ: ڈاکٹر انعام الحق، فون نمبر 051-2290900	بروز اتوار	11AM
اوکاڑہ	برمکان احمد علی، بیت الحمد 4-AB-180، شادمان کالونی، ایم۔ اے جناح روڈ، نزد مبارک مسجد رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325، موبائل: 0321-7082673	بروز جمعہ	3PM
پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین۔ رابطہ ڈاکٹر محمد سلیم قمر تحصیل کبیر والا	بروز جمعہ	3PM
جہلم	جنجوعہ ٹاؤن، پوسٹ آفس فوجی ملز، نزد بیکن ہاؤس سکول۔ رابطہ قمر پرویز	ہر ماہ پہلی اور آخری اتوار	4PM
چوٹی زیریں	بردوکان لغاری برادرز زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان۔ رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔ موبائل: 0331-8601520	ہر ماہ پہلا اتوار	12 بجے دن
چنیوٹ	11/9-W، گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: آفتاب عروج، فون: 047-6331440-6334433، موبائل نمبر: 0345-7961795	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
حیدر آباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری B-12، حیدر آباد ٹاؤن، فیز نمبر 2، قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر آخری بس سٹاپ۔ رابطہ موبائل: 0336-3080355	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک۔ رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ، موبائل: 0331-5035964	بروز جمعہ بروز اتوار	4PM 4PM
راولپنڈی	برمکان امجد محمود، مکان نمبر 14/A، گلی نمبر 4، راہِ طلوع اسلام، جنجوعہ ٹاؤن، اڈیالہ روڈ، نزد جراہی سٹاپ، راولپنڈی۔ رابطہ: رہائش: 051-5573299، موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10AM
خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان، محلہ نظام آباد، وارڈ نمبر 9 خان پور، ضلع رحیم یار خان رابطہ: نمائندہ حبیب الرحمٰن۔ فون نمبر گھر: 068-5575696، دفتر: 068-5577839	بروز جمعہ	3PM

سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹرسٹی' سٹی ہاؤس' سٹی سٹریٹ' شہاب پورہ روڈ' رابطہ: محمد حنیف' 03007158446۔ محمد طاہر بٹ' 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار	5PM
سرگودھا	B-4' گلی نمبر 7' بلاک 21' نزد کلی مسجد چاندنی چوک' رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-711233	بروز منگل	7PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر' فرسٹ فلور' مین ڈگلس پورہ بازار' رابطہ: محمد عقیل حیدر' موبائل: 0313-7645065	بروز جمعہ	4PM
فتح پور' سوات	فتح پور' سوات' رابطہ: خورشید انور' فون: 0946600277' موبائل: 0315-9317755	بروز اتوار	3PM
	محترم ظاہر شاہ خان آف علی گرام' سوات کا ڈیرہ۔ موبائل: 0346-9467559	ہر اتوار	9AM
کراچی	105 سی بریز پلازہ' شاہراہ فیصل۔ رابطہ شفیق خالد' فون نمبر: 0300-2487545	بروز اتوار	10AM
کراچی	A-446 کوہ نور سنٹر' عبداللہ ہارون روڈ' رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-35892083' موبائل: 0300-2275702	بروز اتوار	10AM
کراچی	ڈبل اسٹوری نمبر 16' گلشن مارکیٹ' کورنگی نمبر 5' ایریا 36/C' پوسٹ کوڈ 74900 رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-35031379-35046409' موبائل: 0321-2272149	بروز اتوار	2PM
کراچی	نالج اینڈ ویزڈم سنٹر' سلمان ٹاورز' آفس نمبر C-15' بالمقابل نادرا آفس' ملیر سٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون: 021-35421511' موبائل: 0333-2121992' محمود الحسن۔ فون: 021-35407331	بروز اتوار	11AM
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ ڈاکٹر غلام صابر' فون: 081-2825736	بروز اتوار	4PM
گوجرانوالہ	شوکت نرسری' گل روڈ' سول لائنز۔ رابطہ چوہدری تسنیم شوکت' موبائل: 0345-6507011	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
لاہور	B-25' گلبرگ 2' (نزد مین مارکیٹ' مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-35714546	بروز اتوار	10AM
لاڑکانہ	بر مکان اللہ بخش شیخ نزد قاسمیہ محلہ جاڑل شاہ' رابطہ سکندر علی عباسی' فون: 074-4042714	بروز جمعہ	بعد نماز مغرب
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: خان محمد' (وڈیو کیسٹ) بر مکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1' محلہ صوفی پورہ۔ فون نمبر: 0456-520969 موبائل نمبر: 0334-4907242	بروز جمعہ	10 AM
نواں کلی' صوابی	رابطہ بابو اسرار اللہ خان' معرفت ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق' محلہ خدر خیل۔ فون نمبر:	بروز اتوار	10 AM
صوابی	بمقام چارباغ' (حجرہ ریاض الامین صاحب)' (رابطہ: انچارج یوٹیلیٹی سٹورز' مردان روڈ' صوابی) فون نمبرز: (0938)310262, 250102, 250092	بروز اتوار	3 P.M

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خریدار حضرات خصوصی توجہ فرمائیں

جن خریدار حضرات کی زرِ شرکت ماہنامہ طلوع اسلام ختم ہو چکی ہے وہ برائے مہربانی جلد از جلد ادارہ کو ارسال فرمائیں۔ شکریہ

پلاٹ برائے فروخت

احباب کواپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ میں زرخرید رقبے میں سے پلاٹ برقبہ ایک کنال فوری قبضہ ''جیسے ہے اور جہاں ہے'' کی بنیاد پر قابل فروخت ہے۔

ریزرو قیمت -/65,00,000 روپے

اپنی پیشکش سیل شدہ لفافے میں 10 فیصدی زرِپیشگی' قابلِ واپسی' پے آرڈر کی شکل میں بنام احباب کواپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ کے ہمراہ لگائیں اور بذریعہ رجسٹری احباب کواپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ' ٹرسٹ بلڈنگ' B-25' گلبرگ 2' لاہور کو بھجوادیں یا دستی اس پتہ پر محمد اکرم راٹھور کے پاس دفتر میں جمع کروادیں۔

تمام پیشکشیں مورخہ 8 مئی 2011ء کو صبح ساڑھے 11 بجے مندرجہ بالا دفتر میں کھولی جائیں گی۔

سوسائٹی کی انتظامیہ کو پورا اختیار ہوگا کہ وہ کسی بھی پیشکش کو رد کردے یا قبول کرلے اور سوسائٹی کا یہ اختیار کسی بھی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکے گا۔

خریدار پر سوسائٹی کے تمام بائی لاز لاگو ہوں گے۔ سوسائٹی کے تمام ترقیاتی اخراجات اور حکومتی واجبات خریدار کے بذمہ ہوں گے۔ ممبر شپ کی شرائط بھی لاگو ہونگی۔

مزید تفصیلات محمد اکرم راٹھور سے موبائل نمبر 0321-4460787

پر حاصل کی جاسکتی ہیں۔

انتظامیہ احباب کواپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ

THE MYTHS OF JINNAH

(Edited excerpts from Secular Jinnah & Pakistan)

MYTH: In recent years the 'establishment' has transformed Jinnah's image from that of a secularist to that of a deep-thinking Islamic scholar (Hoodbhoy 2007) [1]

In 2007, Prof. Hoodbhoy delivered a lecture in Karachi, and later turned parts of that lecture into at least two essays. In one of these essays, titled 'Jinnah and the Islamic State: Setting the Record Straight', he suggested that during the Zia ul-Haq administration of the 1980s, the government made conscious efforts to present Jinnah as 'a deep-thinking Islamic scholar'. I have to admit I have never personally seen a Pakistani history textbook, which is where I assume such ideas may have been presented; but then I have also never come across any book of any kind which presents Jinnah as a scholar or a theologian. Even Prof. Sharif al Mujahid's *Studies in Interpretation* (1981), which was published in the same period, does not make such a claim.

Hoodbhoy's underlying point is that any argument for a 'Muslim Jinnah' ought either to be discounted or at least be treated with suspicion. But even the implication that Jinnah was widely considered a 'secularist' amongst his own people from the beginning is misleading. Any academic book of history from the fifties and sixties will testify that it was the 'secular Jinnah' argument that was given little credence in the beginning. Thousands of letters sent to Jinnah from members of the public, academics, politicians and even religious scholars in and out of India, as well as countless articles and editorials written in Jinnah's time confirm that for most people, Jinnah was neither a theocrat nor a secularist. He was seen simply as a great Muslim leader.

What then, is a 'good' or a 'great' Muslim (correctly called *momin* in the Quran)? Prof. Hoodbhoy characterises a 'good' Muslim as a religious, 'practising Muslim'; and by 'scholar' he means someone who has an extensive knowledge of Muslim history and theories of sharia law as well as the Quran.

Before answering the question on what characterises a good Muslim, here I should also mention the position taken in the Munir Report. One of the most famous points in the Report is that during the investigations into the Punjab riots of 1953, a number of ulema representing a variety of sects were asked what a Muslim is and that they all gave different answers. 'Keeping in view the several definitions given by the ulama,' concluded its authors, 'need we make any comment except that no two learned divines are agreed on this fundamental.' [2] However, we find that whilst

---

[1] **P.A. Hoodbhoy, 'Jinnah and the Islamic State: Setting the Record Straight' in *Economic and Political Weekly*, (Mumbai) Vol. 42 No. 32, 11-17 August 2007, p.3300-3303.**

[2] **Munir Report p.218**

there is truth to the statement it is somewhat exaggerated, and the evidence used to support the statement is misleading. A closer look at the answers of the ulema shows that whilst indeed they show some variance, they nevertheless do show some agreement as well. Of the ten sets of answers that were reproduced in the Report, all of them mentioned the Prophet or Finality of the Prophethood, most of them mentioned belief in either God or the Unity of God, and just over half referred to the 'Day of Judgement'. [3]

There is also a second and bigger problem with the Q&A text. Before reproducing the answers of the ulema, the Report explicitly states:

> **This definition was asked after it had been clearly explained to each witness that he was required to give the irreducible minimum conditions which a person must satisfy to be entitled to be called a Muslim and that the definition was to be on the principle on which a term in grammar is defined. [4]**

But if indeed this was done, and all that was required was a dictionary definition of what the word 'muslim' means, then all the ulema had misunderstood the question, for none of them actually answered it. There was in any case also some inconsistency with the questioning itself, as the questioners did not always ask for a 'definition'. In at least three cases, they simply asked: 'Who is a Muslim?', and in one case they even asked 'Who is a Muslim *according to you*?'[5] Consequently there is not one single dictionary definition of the word offered by these ulema, all of whom were concerned only with explaining what in either their personal or sectarian opinions *characterises* a Muslim.

The dictionary meaning of 'muslim' in Arabic is 'one who has (freely) submitted'. [6] In the Quran, a person who 'submits' is a member of a community actively committed to upholding the universal principles of equality, liberty and justice, since these principles have been laid down in the Quran and were exemplified in the life and career of the Prophet. Hence in the Quranic context, to follow the *deen* of Islam means that a person or community is 'submitting to God'. [7] To put it another way, according to Dr. M. Iqbal, whose intellectual influence on Jinnah can be easily found in numerous speeches, a Muslim is not identified by his (or her) theological knowledge, or even religious piety, but his understanding of the 'ethical ideal' of Islam, and more importantly, his ability to prove it in his deeds and actions. As the philosopher once said:

---

[3] Munir Report p.215-8
[4] Munir Report p.215
[5] Ibid. (p.215-8). Emphasis mine.
[6] See entry سلم in Lane's Lexicon Book I (Part 4), p.1412-14; the primary meanings of the root سلم are to become 'safe', 'secure', or 'free', and 'make peace', or 'reconcile'.
[7] See Quran 2:112: 'Nay,-whoever *submits His whole self to Allah* and is a doer of good' (Ali's translation). This verse makes it clear that the word 'submit' has been given a qualifier, which in this case is Allah.

> **Remember that Islam was born in the broad daylight of history. … There is absolutely nothing esoteric in his [the Prophet's] teachings. Every word of the Quran is brimful of light and joy of existence. Far from justifying any gloomy, pessimistic Mysticism, it is an open assault on those religious teachings which have for centuries mystified mankind. … Do not listen to him who says there is a secret doctrine in Islam which cannot be revealed to the uninitiated.** [8]

Dr. Iqbal is telling us that the principles of Islam are plain and easy to understand, and that they are profound precisely because all people are capable of comprehending them. There is no mysterious, esoteric or otherwise complicated teaching in Islam. To suggest otherwise would be to deny that the Quran contains a universal message addressed to all of humanity. Iqbal therefore refers to Islamic principles simply as 'equality, solidarity, and freedom'. [9] **As he has also said, the Quran emphasises deed rather than idea** [10] **– i.e. the observance of such principles through positive action, whether at an individual or collective/state level. What made Jinnah an example of a great Muslim leader therefore was not his technical knowledge of theology, but rather his ability to translate what he understood into his political actions. He not only said that Islam means action,** [11] **but he also led by example.**

MYTH: Jinnah called Pakistan a blunder

Jinnah supposedly told an unnamed doctor on his deathbed that Pakistan was 'the biggest blunder' of his life.

The original source (later cited in M.J. Akbar [12] **and in *Time* magazine** [13]**) is an article in the Peshawar newspaper *Frontier Post.* The article was written by M. Yahya Jan, the son-in-law of Khan Abdul Ghaffar Khan of the NWFP (better known as 'Frontier Gandhi').** [14] **Qutubuddin Aziz, who protested against *Time* magazine's article, has remarked:**

> **Yahya Jan was in his 80s when he wrote the mendacious quote in the *Frontier Post* of what he claimed had been told to him 35 years earlier i.e. in 1952 by Jinnah's physician. Why did Yahya Jan wait for that long [*sic*] to**

---

[8] Article, 'Islam and Mysticism' in *The New Era*, Lucknow, 28 July 1917.

[9] [9] M. Iqbal (1971 reprint) *Reconstruction of Religious Thought in Islam*, p.154. Javid Iqbal has made a similar point in his *Ideology of Pakistan* and has dedicated a section describing the ideals of equality, solidarity and freedom in turn, as well as the duty of the individual to the state. (See 2005 reprint, p.50-56)

[10] Reconstruction of Religious Thought in Islam, v.

[11] See Jinnah's broadcast from the All-India Radio, Bombay, Eid Day, 13 November 1939 (K.A.K Yusufi (ed.) (1996) *Speeches, Statements & Messages of the Quaid-e-Azam* Vol. II, p.1060)

[12] M.J. Akbar (1988) *Nehru: the Making of India*, p.433

[13] See Carl Posey, 'The Great Pleader for a Muslim State', in *Time*, 23 December 1996

[14] Khan Abdul Ghaffar Khan (founder of the 'Red Shirts') was vehemently opposed to Pakistan to the end. In the provincial elections of 1945, the Red Shirts and the Congress were accused of adopting underhand tactics – including vote-rigging – to try and secure the NWFP as a Congress province.

make this dubious anti-Pakistan disclosure? The physician, Colonel Ilahi Baksh, who had treated Jinnah with other doctors in the last few weeks of his life, never mentioned such a statement or quote in his book about his medical treatment of Jinnah. [15]

In fact Yahya Jan merely wrote a new version of a statement originally invented by an Indian writer in 1951 and attributed to Jinnah:

> **To a Hindu friend he [Jinnah] confided, "Look here, I never wanted this damned Partition! It was forced upon me by Sardar Patel. And now they want me to eat the humble pie and raise my hands in defeat." That Hindu, needless-to-say a youthful capitalist of Pakistan, was Mr. Jinnah's most favourite friend in those earlier days of chaos; and confusion.** [16]

As with Yahya Jan's story, the Hindu friend is not named, and the anecdote appears for the first time some time after Jinnah's death.

MYTH: Jinnah privately called Pakistan a 'secular state'

> **It is a fact that Jinnah never called for Pakistan to be a secular state – not publicly, at least. Jinnah's statements from the 1930s onwards do not contain a single occurrence of the word 'secular' … It is reputed that Jinnah privately pledged (to an American diplomat) that Pakistan would be a 'secular state' (using these words). But, as a statesman and politician, he had a different line.** [17]

The above passage is from Dr. Hoodbhoy's 2007 lecture. Note that the 'American diplomat' to whom Jinnah supposedly makes this revelation is not named. Also, this is the first instance I have ever seen of this story. If an earlier source indeed exists, I have not yet found it; and until we know who the mysterious diplomat is, we cannot even begin to check truthfulness of the account. Prof. Hoodbhoy provides no information whatsoever as to his source. But taking into account all that we have presented in this book showing that Jinnah was neither a secularist nor a secular-Muslim, we can safely assume that the claim is pure fiction.

MYTH: The Raja of Mahmudabad testified that Jinnah was a secularist

In 1970 an article by the Raja of Mahmudabad appeared in a well-known compilation volume on partition. A certain passage from this article has been reproduced by most pro-secularist commentators. It reads:

> **My advocacy of an Islamic state brought me into conflict with Jinnah. He thoroughly disapproved of my ideas and dissuaded me from expressing them publicly from the League platform lest the people might be led to believe that**

---

[15] Q. Aziz (1997) *Quaid-i-Azam Jinnah and the Battle for Pakistan*, p.181. Spellings retained from original.

[16] H.K. Ramani (1951) *Pakistan X-Rayed*, p.11. Also cited (with slightly different words, substituting 'partition' for 'Pakistan') in Ajeet Jawed (1998) *Secular and Nationalist Jinnah*, p.281)

[17] P.A. Hoodbhoy 2007, p.3301

> **Jinnah shared my view and that he was asking me to convey such ideas to the public. As I was convinced that I was right and did not want to compromise Jinnah's position, I decided to cut myself away and for nearly two years kept my distance from him, apart from seeing him during the working committee meetings and on other formal occasions. It was not easy to take this decision as my meetings with Jinnah had been very close in the past. Now that I look back I realise how wrong I had been.[18]**

The Raja goes on to suggest that the League leadership was secular minded (including Jinnah) and only used religion as a propaganda tool. [19] He was a well-intentioned and genuine Leaguer but there is no doubt that he had a religious understanding of the Islamic state. Here is one example of his 'advocacy of an Islamic state' which makes the point clear. His speech is passionate and in places inspiring. He even cites Iqbal, but he also exposes the limits of his own understanding of Islam:

> **The State will conform to the laws as laid down in Islam. It will deal justly and fairly with every community and every section of its constituent members. The unchangeable laws of Islam will *ipso facto* be applied and enforced. *There will be no fresh legislation in regard to them because Islam has already legislated them for ever and ever.* [20]**

This is the fatal flaw in the Raja's thought, which explains why Jinnah asked him not to repeat his ideas from the League platform (and at any rate as shown earlier in this book, Jinnah had explicitly instructed Leaguers many times to not begin discussing the constitution until after Pakistan was won. The Raja had been disobeying a direct order). It seems that an Islamic state and a religious state were the same thing to the Raja. Jinnah's opposition to his particular conception of an Islamic state led him to the erroneous conclusion that Jinnah was a secularist. By cutting himself off and keeping his distance from Jinnah (as he himself has testified), he failed to ever understand the actual point of Jinnah's admonition. Years after Jinnah's death the Raja reviewed his own position and, whilst he left behind his former rigid interpretation of Islam, he had still missed the point and so took on a secular-Muslim viewpoint. As the Raja's son has written about him in recent years:

> **[The Raja] went into self-imposed exile to Iraq in 1947 and spent nearly ten years living in Karbala and Baghdad. He became a Pakistani citizen in 1957 … Raja Mohammad Amir Ahmad remained restless even after changing his citizenship and continued to question the politics of his past relentlessly and ruthlessly. From a person who had founded the Islami Jama'at in the early forties *he changed to an ardent supporter of secularism* in**

---

[18] Raja of Mahmudabad, 'Some Memories', in Philips & Wainright (ed) (1970) *The Partition of India* Massachusetts: MIT Press, p.388-9

[19] Ibid. (p.389)

[20] Raja of Mahmudabad's address at Bombay Presidency ML Conference, Hubli, 24 May 1940. (*Indian Annual Register* Vol. I (1940), p.319)

> **matters of politics and government and *recalled with deep respect and affection the views of Jinnah in support of a secular approach* to the political programme of Pakistan and especially in regard to the *secular Constitution which Jinnah wanted for the republic*.** [21]

Meanwhile, Dr. M.R. Kazimi has in a journal article referred to another anecdotal story involving a conversation between the Raja and Jinnah, taken from an unpublished autobiography.

> **The Raja started by saying that since the Lahore Resolution had been passed earlier that year, if and when Pakistan was formed, it was undoubtedly to be an Islamic State with the Sunna and Sharia as its bedrock. The Quaid's face went red and he turned to ask Raja whether he had taken leave of his senses? Mr. Jinnah added: "Did you realize that there are over seventy sects and differences of opinion regarding the Islamic faith, and if what the Raja was suggesting was to be followed, the consequences would be a struggle of religious opinion from the very inception of the State leading to its very dissolution." Mr. Jinnah banged his hands on the table and said: "we shall not be an Islamic State, but a liberal, democratic Muslim State."**[22]

To Kazimi (who has also cited the Munir quote on the same page of the above article) this implies Jinnah's preference for secularism. However we can actually draw one of two possible conclusions about the anecdote. One is to reject it as entirely fabricated. The other is that the account is essentially true but Jinnah has been misinterpreted. His criticism of the religious state – that is, of the Raja's 'Islamic state' – is clearly based on his aversion to sectarianism. The above statement about seventy sects fits the view of a non-sectarian Muslim.

MYTH: Jinnah confessed after partition that he was still an Indian

Ajeet Jawed summarises Jinnah's psychological condition after partition as follows:

> **He became a pathetic creature. He couldn't undo his past. He wanted to come back to India. In fact, he considered himself to be an Indian. What a tragedy of a person like Jinnah. He is reported to have said in a meeting of the All India Muslim League at Karachi: *I tell you that I still consider myself to be an Indian*. For the moment I have accepted the Governor-Generalship of Pakistan. But I am looking forward to a time when I would return to India and take my place as a citizen of my country. In the interests of Pakistan I would appeal to Indian Muslims to be true to India, to be loyal to India even as I would tell Hindus here to be true to Pakistan and to be loyal to Pakistan. That is the only royal road to our mutual problems.** [23]

---

[21] Raja M.A.M. Khan Sulaiman, 'My Family and the Independence Movement' in *Dawn*, 30 December 2006

[22] Isha'at Habibullah's autobiography (undated / not published) p.108-9, as cited in M.R. Kazimi 'Pakistan: The Founder's View' in *Journal of Management and Social Sciences* Vol. 4, No. 1, (Spring 2008), p.48

[23] A. Jawed (1998) Secular and Nationalist Jinnah, p.295

This story originates in India, in M.S. Mantreshwar Sharma's *Peeps into Pakistan*; [24] and again the author provides no source for Jinnah's 'reported' statement that he still considered himself to be an Indian (and that too after the announcement of partition). In fact Sharma (himself a newspaper editor) has taken his claim from an article that appeared in *Morning News* in August 1947. It quotes Jinnah as having said:

> **Replying to another question Mr. Jinnah said: "I am going to Pakistan as a citizen of Hindustan. I am going because the people of Pakistan have given me the opportunity to serve them. But this does not imply I cease to be a citizen of Hindustan ..." [25]**

This report was exposed as a fabrication just a couple of days later, when Jinnah released the following press statement:

> **My attention has been drawn to a report appearing in certain sections of the press purporting to give summary of my address to the Muslim League Members of the Indian Constituent Assembly. I wish to say that the report is a piece of concoction and I regret that a report of this kind should have been given publicity which is purely misleading and mischievous. [26]**

It goes without saying that the records of the League meetings in 1947 (or any time) show nothing to indicate that he said anything to the effect that he was still an Indian. To the contrary, he had actually said on record in 1946: '*I don't regard myself as an Indian*'. [27] After partition he continually said that Pakistan would not rejoin India. For one example, here is an excerpt from his interview to Reuters in October 1947:

> **I want to make it quite clear that Pakistan will never surrender and never agree in any shape or form to any constitutional union between the two sovereign states with one common centre. … We must try to stop any effort or attempt which is intended to bring about a forced union of the two Dominions. The methods advocated for the achievement of this end are:**
>
> 1. **Bring about a revolt by Muslims against the Muslim League and the Pakistan government.**
> 2. **Failing that making the leaders of Pakistan realise the folly of the two nation theory and change their ways and force them once**

---

[24] **See M.S.M. Sharma (1954) *Peeps into Pakistan*, p.18. Sharma, best known as the editor of Karachi's *Daily Gazette*, had remained in Pakistan post-partition but returned to India shortly after Jinnah's death. Though he expressed his high regard for Jinnah in his book, he took a dim view of Pakistan which he believed was developing as 'medieval State with an impossible, theocratic conception' (op. cit. p.199)**

[25] **See news report, *Morning News*, 1 August 1947 and *Star of India*, 2 August 1947. (*Nation's Voice* Vol. VI, p.339-40 fn)**

[26] **Press statement, New Delhi, 7 August (in *Dawn*, 8 August). (Op. cit. p.339-40).**

[27] **Interview to foreign editor, *News Chronicle* (London); Delhi, 12 April 1946. (*Nation's Voice* Vol. IV, p.624)**

again to agree to join the Union and thereby create a single India by war. [28]

It could be said that this statement is prophetic.

Excerpted from *Secular Jinnah & Pakistan: What the Nation Doesn't Know* by Saleena Karim (pp.133-6; 228-31; 232-3). Published in Pakistan by Paramount Books, Karachi & internationally by CheckPoint Press, Ireland.

More about the author including contact details: http://www.secularjinnah.co.uk

======================

ENJOY YOUR STAY AT

HOTEL PARKWAY (PVT.) LTD.

NEAR RAILWAY STATION – LAHORE

ALL COMFORTS AVAILABLE:

- **T.V. & FAX**
- **AIR-CONDITIONED**
- **TELEPHONE EXCHANGE**
- **CAR PARKING**
- **LIFT, INTERNET**
- **EXCELLENT SERVICE**

PH:0092-42-36365908-12, FAX: 0092-42-36311923,
E-mail:hotel_parkway@yahoo.com

---

[28] Interview with Duncan Hooper, Reuters' special correspondent, Karachi, 23 October 1947 (NV Vol. VII, p.73-5). For another example, see Jinnah's address at Karachi Chamber of Commerce, 27 April 1948 (NV Vol. VII, p.377)